مولانا رومی

اور

دیار رومی





مولانا رومی

اور



دیارِ رومی

مولانا رومی

اور

دیارِ رومی

مرتبہ

ڈاکٹر دُرمُش بُلگُر

رومی چیئر - کلیہ علوم شرقیہ

جامعہ پنجاب، لاہور - پاکستان

نام کتاب :مولانا رومی اور دیارِ رومی
نام مصنف :ڈاکٹر دُرمش بُلگر
صفحات :۷۰
تعداد :۳۰۰
قیمت :۱۵۰
کمپوزنگ :رئیس احمد
طبع اوّل :دسمبر ۲۰۱۲ء
طابع :امجد پرویز
ڈائریکٹر شعبہ طباعت واشاعت
پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور۔ پاکستان
ناشر :رومی چیئر برائے ترکی زبان وثقافت
کلیہ علوم شرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور، پاکستان
ISBN: 978-969-9854-00-2

فہرست مضامین

پیش لفظ

میری زندگی میں شہرِ قونیہ اور اُس شہر سے تعلق رکھنے والی ہر شے کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے کہ میں نے سب سے پہلے سن ۱۹۹۲ء میں اِس شہر کی یونیورسٹی، سلجوق یونیورسٹی، ادبیات فیکلٹی کے شعبہء اردو زبان و ادب میں تحقیقی سکالر کے طور پر ملازمت شروع کی اور پورے ۱۵ سال تک میں نے اِسی شہر میں زندگی گزاری اور مذکورہ بالا یونیورسٹی میں کام کرتا رہا۔ لہذا میں نے اِس شہر کے اکثر و بیشتر ہر مقامات دیکھے ہیں اور اِس کتابچے میں دی ہوئی بہت سی معلومات کا عینی شاہد بھی ہوں۔

پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور کے تحت قائم کردہ رومی چیئر برائے ترکی زبان و ثقافت کی مسند کو سنبھالنے کے بعد شہرِ قونیہ کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ تھا کہ جتنا ممکن ہو سکے اِس شہر کی اہمیت کے حامل ہر شے کے متعلق معلوماتی اور تعارفی کوئی کام کیا جائے۔ زیرِ مطالعہ کتابچہ "رومی اور دیارِ رومی" اِسی جذبے کے تحت برادر ملک پاکستان کے قارئین کے پیشِ خدمت ہے۔ اِس کتابچے کا کچھ حصہ پہلے سے تیار تھا۔ اب ہم نے اِس کو مزید اضافوں کے ساتھ از سرِ نو مرتب کیا ہے۔ کتابچے کے شروع میں مولانا رومی کی مختصر سوانح عمری دی گئی ہے۔ اِس کے آخر میں ترکی کے اسکالر ڈاکٹر محمد اوندر(Mehmet Önder) کی طرف سے مولانا رومی کے سلسلہء نسب کے متعلق ترکی زبان میں لکھے گئے ایک مضمون کا اردو زبان میں ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اِس کے بعد شہرِ قونیہ کی تاریخ اور اُس کے ارد گرد کے قصبوں، ضلعوں اور تحصیلوں میں پائے جانے والے آثارِ قدیمہ کے متعلق معلومات بھی دی گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ کاوش قارئین کو پسند بھی آئے اور کار آمد بھی ثابت ہو۔

میں اُن سب اربابِ علم و ادب کا ممنون ہوں جنہوں نے نہ صرف اِس کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا بلکہ مفید مشورے بھی دیئے۔ اُن میں شعبہ عربی کے ممتاز ترین

پروفیسر ڈاکٹر مظہر معین صاحب سرِ فہرست ہے۔ انہوں نے اِس کام کی تیاری کے لئے مجھے آمادہ کیا۔ شعبہ فارسی کے گزیدہ اہلِ قلم پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی صاحب کا بھی سپاس گزار ہوں جنہوں نے پورا مسودہ حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمایا اور اغلاط کی نشاندہی کی۔ شعبہ اردو کے پروفیسر ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے پورا مسودہ پڑھ کے میری حوصلہ افزائی کی۔ اقبالیات کے صدر شعبہ استادالاساتذہ محترم ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام صاحب جیسے دانشور نے بھی اِس کتاب کی تحسین فرمائی۔ عزیزم رئیس احمد سینئر کلرک، رومی چیئر بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کتابت کی تصحیح میں میرا ہاتھ بٹایا۔ آخر میں ایم۔ اے۔ اردو کے ہونہار طالبِ علم عزیزم حسن رضا اقبالی کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے گاہے بگاہے اِس کام میں میری معاونت کی۔ میں سب کے لئے دعا گو ہوں۔

ڈاکٹر دُرمش بُلگر
پروفیسر رومی چیئر
اورینٹل کالج
پنجاب یونیورسٹی، لاہور
۱۵۔ اکتوبر ۲۰۱۲ء

تقریظ

ہمارے فاضل ترک دوست پروفیسر دُرمُش بُلگر (Durmuş Bulgur) شعبہ اردو استنبول یونیورسٹی، استنبول، ترکی کے استاد ہیں اور آج کل اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور میں قائم مسندِ رومی پر فائز ہیں۔ برادر ملک ترکی کے ایک فعّال اہلِ علم ہونے کے ناتے اُن سے محبت اور احترام کا تعلّقِ خاطر تو ہے ہی، پاکستان، علاّمہ اقبال، اردو زبان و ادب اور مولانا جلال الدّین رومی سے اُن کی دلی وابستگی ایسی پر کشش خصوصیات انہیں ہمارے دل و نظر کے اور بھی قریب کرتی ہیں۔

ترکی کا عظیم و جلیل شہر قونیہ، جو شہر رومی ہے، دنیا بھر کے اہلِ عشق کا محورِ ارادت ہے۔ برّ ِصغیر اور خاص طور پر پاکستان کے لوگ تو اِس شہرِ جاناں سے والہانہ محبت رکھتے ہیں کہ علاّمہ اقبال کے مرشدِ معنوی حضرت رومی وہاں آسودہء خاک ہیں۔ پروفیسر موصوف نے "مولانا رومی اور دیارِ رومی" کے نام سے قونیہ کے تفصیلی تعارف میں ایک عمدہ اور معلومات افزا کتابچہ لکھا ہے۔ اِس میں قونیہ کی قدیم و جدید تاریخ، آثارِ قدیمہ، معروف مساجد، مدارس، مزارات، سراؤں، حماموں، تاریخی عمارتوں، سیرگاہوں اور عجائب گھروں کا تصویری تعارف کروایا گیا ہے۔ یقیناً اِس دیارِ حسن و عشق کے بارے میں یہ گراں قدر معلومات قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوں گی۔ قونیہ کے بارے میں اردو میں اتنی مصدّقہ معلومات اِس سے پہلے کسی اور ماخذ میں نہیں ملتیں۔ اردو زبان کے قارئین بلا شبہ اِس سے بہت استفادہ کریں گے۔

مصنف کا اسلوبِ تحریر سادہ اور خوب صورت ہے۔ ایک ترک پروفیسر کی لکھی ہوئی یہ اردو بہ جائے خود بہت خوش آیند ہے اور ہم دلی و ہم زبانی کا معنی خیز احساس دلاتی ہے۔ میں اِس کتاب کی تالیف و اشاعت پر تہِ دل سے اپنے فاضل دوست کو

مبارک باد دیتا ہوں اور اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایسے شوق انگیز موضوع کو اپنے حسنِ تحریر سے اور بھی دلکش بنا دیا ہے۔ امید ہے کہ وہ اردو کو ایسے مفید تحفوں سے نوازتے رہیں گے۔

ڈاکٹر معین نظامی
پروفیسر شعبہ فارسی
اورینٹل کالج
پنجاب یونیورسٹی، لاہور
۱۱۔ ستمبر ۲۰۱۲ء

مولانا جلال الدین رومی

نام و نسب

محمد نام، جلال الدین لقب اور شہرت مولانائے روم کے نام سے ہے۔ سلسلہِ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ محمد صرف مولانا ہی کا نام نہیں تھا بلکہ مولانا کے والد اور دادا کا نام بھی محمد تھا۔ مولانا کے والد کا لقب بہاء الدّین اور وطن بلخ ہے۔ شیخ بہاء الدّین بڑے صاحبِ علم و فضل بزرگ تھے اور پورے خراسان میں مرجع خلائق تھے۔ اُس وقت محمد خوارزم شاہ کا دورِ سلطنت تھا۔ وہ خود شیخ بہاء الدّین کے حلقہ بگوشوں میں تھے اور امام فخرالدّین رازی کی معیت میں شیخ کے حلقہ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ شیخ بہاء الدّین کی مقبولیتِ عامہ جب حد سے بڑھی تو یہ امام فخر الدّین رازی کی طبیعت پر بار بن گئی۔ شیخ نے اِس کو محسوس کیا اور ۶۱۰ھ میں وطن ترک کر کے نیشاپور چلے گئے۔ خواجہ فریدالدّین عطار، شیخ بہاء الدّین سے نیشاپور میں ملے تھے۔ اُس وقت مولانا رومی تقریباً ۶ سال کے تھے۔ مولانا رومی کی ولادت ۶۰۴ھ بلخ میں ہوئی تھی۔ تعلیم کے ابتدائی مراحل شیخ بہاء الدّین نے طے کرا دیئے اور پھر اپنے مرید سید برہان الدین محقق کو جو اپنے زمانے کے بہت بڑے فاضل علماء میں سے تھے، مولانا رومی کا معلم اور اتالیق بنا دیا تھا۔ مولانا رومی نے اکثر علوم و فنون انہی سے حاصل کیۓ۔ مولانا پر بچپن ہی سے سعادت مندی کے آثار نمایاں تھے۔ خواجہ فریدالدّین عطار نے نیشاپور میں مولانا کو دیکھ کر شیخ بہاء الدّین سے فرمایا: ''اِس صاحبزادے کے جوہر سے غفلت نہ برتئے گا''۔ اور انہوں نے اپنی مثنوی 'اسرارنامہ' مولانا کو پڑھنے کے لئے عنایت کی۔ شیخ بہاء لدین نیشاپور سے بغداد پہنچے۔ وہاں کچھ دن قیام کے بعد حجاز اور شام ہوتے ہوئے زنجان پہنچے اور وہاں سے لارندہ (Larende) کا رخ کیا۔

لارندہ میں دورانِ قیام شیخ نے مولانا کی شادی کرائی جبکہ مولانا کی عمر ۱۸ برس کی تھی اور یہیں مولانا کے فرزندِ رشید 'سلطان ولد' پیدا ہوئے۔ بغداد میں قیام کے دوران مولانا رومی کی شہرت شاہِ روم علاء الدّین کیقباد (Alauddin Keykubad) تک پہنچ چکی تھی۔ لارندہ کے قیام کے دوران علاء الدّین کیقباد کی درخواست پر شیخ بہاء الدّین قونیہ میں اُن کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی بقیہ زندگی قونیہ ہی میں گزار کر جمعہ کے دن ۱۸ ربیع الثانی ۶۲۸ھ کو اِس دار فانی سے کوچ کرگئے۔ مولانا نے والد کے انتقال کے بعد ۶۲۹ھ میں شام کا قصدِ سفر کیا۔ ابتداء میں حلب کے مدرسہ علاویہ میں رہ کر تاریخ حلبیہ کے مصنف مولانا کمال الدین سے تلمذ بھی کیا۔

مولانا رومی اپنے دور کے اُن اکابر علماء میں سے تھے جن کے خیالات ساری دنیا کو صدیوں سے متاثر کرتے رہے ہیں۔ وہ فقہ اور مذہب کے بہت بڑے عالم تھے۔ دیگر علوم میں بھی مولانا رومی کو پوری دسترس حاصل تھی۔ دورانِ طالب علمی ہی میں علمائے وقت پیچیدہ مسائل میں مولانا رومی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اپنے والد صاحب کے وصال کے بعد مولانا رومی نے اپنا روحانی تعلق سید برہان الدّین سے قائم کرلیا تھا۔ چنانچہ مثنوی معنوی میں مولانا رومی نے اُن کا تذکرہ اپنے پیر ہی کی حیثیت سے کیا ہے۔ یہ مولانا رومی کا وہ دور ہے جس میں اُن پر ظاہری علوم کا غلبہ تھا۔ وہ سماع سے احتراز جبکہ درس و تدریس اور فتوی نویسی میں مشغول رہتے تھے۔ مولانا رومی کثرتِ مجاہدہ اور ریاضت کیا کرتے اور بیسیوں دن روزہ رکھتے تھے۔ اُن کے تصور اور فلسفہ کی بدولت قونیہ ایک امن، سلامتی اور رواداری کا شہر بن گیا۔

سلسلہ نسب

مولانا کی وفات کے بعد سب سے زیادہ متاثر ہونے والا طبقہ ان کے دوست تھے۔ آپ کی روشن راہوں کے پیروکار، تجلیات قلب کے پروانے اور آپ سے براہ راست فیض یاب ہونے والے یہ حضرات آہستہ آہستہ ہوش میں آنا شروع ہوگئے۔ اِس کے بعد کیا ہو نا تھا، ہر وہ چیز جو مولانا کی وجہ سے قائم تھی، آپ کے پردہ فرمانے کے بعد جیسے سب کچھ ختم ہو گیا۔ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونا، مولانا کی فکرو سوچ کو فروغ دینا اور آپ کے روشن راہوں کی پیروی کرنا سب پیروکاروں کا مقصد اصلی ہونا چاہیے تھا۔ لیکن رہنمائی کون کرتا اور کون ان کی نمائندگی کرتا؟ اس کے متعلق ایامِ علالت میں مولانا کے قریبی لوگوں نے آخری وصیت سنتے وقت تین مرتبہ پوچھا کہ حضرت! آپ کے بعد آپ کا خلیفہ کون ہو گا؟ آپ نے ہر دفعہ یہی جواب دیا کہ چلپی حسام الدین میرے خلیفہ ہوں گے۔ حقیقتاً سنار صلاح الدین کی وفات کے بعد چلپی حسام الدین مولانا کے سب سے قریبی دوستوں میں تھے اور خلفاء کے درمیان ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ کسمپرسی کے باوجود مولانا کی مثنوی کی طباعت پر خرچ، مولانا پر کامل اعتقاد، صحتمندی کے دل و جان سے طالب، یہ وجوہ حسام الدین کو مولانا کا خلیفہ بننے کا جواز تھیں جبکہ دوسری طرف مولانا کے صاحبزادہ ''سلطان ولد'' بھی تھے۔ وہ اپنے والدِ محترم کے علم و عرفان کی بھٹی میں پکے، سب کے منظورِ نظر اور قابلِ قدر صوفی تھے۔ مولانا اپنے دوسرے تمام بیٹوں کی نسبت اُنہیں بہت چاہتے تھے۔ مولانا اُن سے کہا کرتے تھے کہ شکل و صورت اور مزاج میں تم مجھ جیسے ہو۔ اس بنا پر ''سلطان ولد'' بھی مولانا کا جانشین بننے اور جانشینی کا حق ادا کرنے کے بالکل اہل تھے۔ اس لئے چلپی حسام الدین کی یہ سوچ تھی کہ وہ اپنے والد کے جانشین بنیں۔ لہذا اُنہوں نے ایک دن

صاحبزادہ سلطان ولد سے فرمایا: ''بیٹے! تم ہمارے سلسلہ میں ایک تحفۂ خداوندی ہو، مولانا کے بعد ہدایت اور یکجہتی کا محور تم ہی ہو اور مولانا کا بلند پایا مقام تمہیں ہی منتقل ہونا چاہیے، کیونکہ تم سے زیادہ عارف، رہبر اور نبض شناس کوئی نہیں۔''

لیکن صاحبزادہ سلطان ولد کو حسام الدین چلپی کی یہ بات پسند نہ آئی۔ چنانچہ سپاسنامہ میں فرمایا: ''نہیں! میرے والد فوت نہیں ہوئے۔ حقیقت میں وہ زندہ ہیں۔ مرنے والی اُن کی مادّی ہستی ہے۔ اُن کی روح اللہ کے ہاں زندہ ہے۔ کیا ہمارے نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مومن مرتا نہیں! اس لئے آپ (چلپی حسام الدین) ہمارے والد کی زندگی میں بھی خلیفہ تھے اوران کے بعد بھی آپ ہی خلیفہ ہوں گے۔ آپ ہمارے امام ہیں، ہم نے آپ کی پیروی کی ہے اور اب بھی آپ ہی کی پیروی کریں گے، یہی میرے والد کی وصیت ہے جس کا پورا ہونا ضروری ہے''۔ چلپی حسام الدین نے کتنی دفعہ منت سماجت کی۔ لیکن صاحبزادہ سلطان ولد نے قبول نہ کیا۔ آخر کار اطمینان قلب کے ساتھ چلپی حسام الدین نے تخت نشینی کے فرائض سنبھال لئے۔

پہلے جانشین چلپی حسام الدینؒ (وفات: ۱۲۸۴ء)

یوں چلپی حسام الدین خاموشی کے ساتھ تخت جانشینی پر جلوہ افروز ہوئے۔ اصل میں مولانا کسی طریقت کے بانی نہیں تھے۔ کسی طریقت کو قائم کرنا شیخ بننے کے متعلق کبھی اُنہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اُن کا راستہ جذبۂ عشقِ الٰہی کا راستہ تھا اور اِس راستے میں سوزِ عشق کی آگ جل رہی تھی۔

من شدم عریان ز تن، او از خیال　　　می خرامم در نہایات الوصال

ترجمہ: میں جسم سے ننگا ہو گیا وہ خیال سے، میں وصال کی انتہاؤں میں خراماں جا رہا ہوں (جلد: ۶، صفحہ نمبر: ۴۴۴)

مولانا کے بعد ایک خلیفہ کا تعین اس لئے ضروری تھا کہ مولانا کے بعد ان کی نمائندگی اور سوچ و فکر کو قائم ودائم رکھا جاسکے اور اُن کے مجمع کو منتشر ہونے سے بچایا جاسکے۔ مولانا کا نعم البدل یا مولانا کے افکار کا حامل شخص کو چاہئے کہ عشقِ خداوندی کی اِس آگ کو ہمیشہ کے لیے سلگائے رکھے۔ اِس لیے یہ ذمہ داری اٹھانے کے لیے چلپی حسام الدین نے کندھا پیش کیا اور مولانا کے دوستوں کا سربراہ بنے۔ چلپی جب مولانا کے حلقۂ احباب میں شامل ہوئے اس وقت بالکل جوان تھے اور بڑی حلیم و سلیم طبیعت کے مالک تھے۔ ان کا اصل نام حسام الدین حسن تھا۔ آپ کے والد قونیہ میں اخیوں (اخوانوں) کے شیخ تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد اُرمیہ سے ہجرت کر کے قونیہ آئے اوریہیں بس گئے۔ اِس لیے حسام الدین کو اخی ترک اوغلو بھی کہا جاتا تھا۔ چلپی حسام الدین نے سب سے پہلے مولانا کی قبر پر تربت بنائی۔ مولانا بذات خود قبر پر تربت بنانے کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کے والد سلطان العلماء بہاء الدین ولد جب فوت ہوئے تو اُن کو مولانا کے موجودہ مقبرہ کے

ایک خاص باغیچے میں دفن کیا گیا تھا۔ سلجوقی وزیر امیر معین الدین پروانہ نے جب اُن کے والد کی قبر پر تربت بنوانا چاہی تو مولانا نے اس سے یہ کہا تھا کہ: ''آسمان سے زیادہ بہتر اور بڑا قبہ تم نہیں بنا سکتے، اِس لیے اِس کی فکر مت کرو۔'' اور اُسے منع کر دیا۔ مولانا نے مثنوی کی تیسری جلد میں کہا ہے کہ:

''قبروں پر تربت بنوانا اور قبے بنوانا اہلِ معانی کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہے۔
ہمارے مزاروں کو زمین پر تلاش مت کرو، ہمارے مزار تو عارفین کے دل ہیں۔''

احمد افلاکی جس نے مولانا کی منقبت لکھی تھی، مولانا کی وصیت یوں نقل کرتے ہیں: ''ہمارے دوست ہماری تربت کو ایسا بنائیں کہ وہ دور سے نظر آئے۔ جو شخص بھی

ہماری تربت کو دور سے دیکھ کر پورے یقین کے ساتھ ہمیں یاد کرے گا، اُس کا نام دونوں جہانوں میں عزیز ہو گا۔ پورے عشق و محبت کے ساتھ بغیر کسی ریاکاری کے صحیح طریقے سے جا کر ہماری تربت کی زیارت کی خواہش رکھنے والوں کی خواہش کو اللہ پوری کرے گا۔"

یہ الفاظ مولانا نے کہے یا نہیں، اُس بارے میں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ مولانا کی وفات کے بعد اُن کی قبر پر تربت بنانے کی راہ میں کوئی بھی رکاوٹ حائل نہ ہوئی۔ قبر کی زیارت کے لیے لوگ آتے رہے اور تربت بنانے کا تذکرہ ہوتا رہا۔ مولانا کی وفات کے چند ماہ بعد مولانا کی بہت زیادہ قدر کرنے والے امیر علام الدین قیصر نے صاحبزادہ "سلطان ولد" سے درخواست کی اور اُن کو راضی کیا۔ صاحبزادہ سلطان ولد کے قبول کر لینے کے بعد علام الدین قیصر، امیر سلیمان پروانہ اور اُن کی مالدار بیوی گُرجو خاتون سے مل کر اسی ہزار دینار اکٹھے کیے اور مزار کی تعمیر کے لیے چلپی حسام الدین کو دے دیئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اُنہوں نے اِس رقم کو ایک لاکھ ساٹھ ہزار دینار میں بڑھا کر تربت کی تعمیر کروائی۔ یہ مقبرہ سلجوقی دور کے مشہور معمار بدر الدین تبریزی کی طرف سے چار ستونوں پر اینٹوں سے بنے ایک فریم کے اوپر مخروطی گنبد کی شکل میں بنایا گیاہے۔ شمال کی جانب بلند کمان کی طرح کا ایک کھلا ایوان ہے۔ مشرقی، مغربی اور جنوبی اطراف کو بند رکھا گیا ہے۔ ایوان میں مولانا کے مزار کے اوپر سلیم بن عبدالوحید اور قونیہ کے گیناک بن حمام الدین نامی دو کاریگروں نے لکڑی کا ایک صندوق رکھا تھا۔ مولانا کی طرف منسوب یہ لکڑی کا صندوق آج سلطان العلماء کی قبر پر رکھاہے۔ صندوق کی ہیبت دیکھ کر لوگوں میں یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ جب مولانا کا انتقال ہوا اور تربت میں دفن کے لیے لائے گئے تو اُن کے

والد مولانا کے احترام میں صندوق سمیت کھڑے ہو گئے۔ صندوق کے اوپر لکھے گئے الفاظ کا انتخاب مولانا کے دیوان اور مثنوی میں سے کیا گیا۔ کتابت حسام الدین چلپی اور صاحبزادہ سلطان ولد کی طرف سے کروائی گئی۔

پہلا دربار

وہ خاص باغ جہاں مولانا کی تربت واقع ہے، قونیہ قلعے کے سامنے، اکسرائے دروازہ کے قریب تھا۔ یہ مخصوص باغ سلجوقی سلطان علاء الدین کیقباد کی طرف سے مولانا کے والد محترم بہاء الدین ولد اور اُن کے خاندان کو ہدیہ میں پیش کیا گیا تھا۔ قونیہ شہر آہستہ آہستہ پھیلتا گیا۔ خاص باغ کے آس پاس گھر اور مہمان خانے بنوائے گئے۔ چلپی حسام الدین نے خاص باغ کی چاروں طرف دیوار بنوائی اور مستقبل میں مولانا کے دربار کے لیے جگہ متعین کرائی۔ سب سے پہلے مولانا کی تربت کے ساتھ چند کمرے بنوائے۔ اس دوران مقبرے کے لیے عطیات جمع کیے جاتے رہے۔ تربت میں مؤذن، امام اور مثنوی خوان ذمہ داریاں نبھاتے تھے۔ مثنوی خوان سراج الدین اُن کے مسئول تھے۔ چلپی حسام الدین ہر جمعہ کی نماز کے بعد مولانا کے دوستوں کو جمع کرتے اور بڑے جوش و خروش سے مولانا کے مزار کی زیارت کراتے تھے۔ زیارت کے بعد قرآن کریم کی تلاوت ہوتی، مثنوی پڑھی جاتی اور محفل سماع ہوتا۔

چلپی حسام الدین نے مولانا کے دوستوں کی سرپرستی فرماتے ہوئے اُن کو منتشر ہونے سے بچایا اور مجتمع رکھا۔ حسام الدین کی خلافت دس سال رہی۔ ۱۲۸۴ء اکتوبر کا مہینہ تھا۔ افلاکی کی بیان کردہ ایک حکایت کے مطابق چلپی حسام الدین نے مرام کے علاقے میں واقع اپنے باغ میں سماع کے اجتماع کا انعقاد کیا، مولانا کے محبین اِس اجتماع میں شریک ہوئے۔ سماع جاری تھا۔ اتنے میں قونیہ سے آنے والے کسی شخص نے اطلاع

دی کہ وہ علم جو مولانا کی تربت کے اوپر نصب تھا گر گیا۔اِس خبر پر حسام الدین چلپی نے ایک گہری آہ بھری، رونا شروع کر دیا اور کہا کہ میرے شیخ مجھے بلا رہے ہیں۔ ہجرت کا وقت آ گیا۔ جامِ حیات بھر گیا، مجھے گھر لے چلو۔ چنانچہ اُن کو گھر لے جایا گیا۔ چند دن کے بعد ۲۵ اکتوبر ۱۲۸۴ء کو آپ کی وفات کی خبر قونیہ کے کونے کونے تک پھیل گئی۔ چلپی حسام الدین کی نمازِ جنازہ صاحبزادہ سلطان ولد نے پڑھائی اور مولانا کے سرہانے دفن کر دیئے گئے۔

صاحبزادہ سلطان ولد (وفات: ۱۳۱۲ء)

حسام الدین کی وفات کے بعد مولانا کی مسندِ خلافت مولانا کے بڑے بیٹے اور وارث صاحبزادہ سلطان ولد نے سنبھالی۔ کیونکہ اُن کے حوالے سے کسی کے دل میں شک و شبہے کی گنجائش نہیں تھی۔ سلطان ولد خود بھی سپاس نامے میں یوں فرماتے ہیں: ''تمام جوان اور بوڑھے لوگوں نے جمع ہو کر یہ التجاء کی کہ اے صاحبزادہ ! والد کی مسند تو آپ ہی کا حق تھا اور اُن کی آپ سے محبت بھی دائمی تھی۔ اِس کے باوجود آپ نے مسند حسام الدین کو دی۔ اب اُن کے انتقال کے بعد آپ کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ تقدیر الٰہی یوں ہی مقدر تھی اِس بنا پر میں نے یہ ذمہ داری قبول کرلی۔''

صاحبزادہ سلطان ولد جب مولانا کی مسند پر تشریف فرما ہوئے اُس وقت آپ کی عمر ۵۸ سال تھی۔ وہ بھی مکمل طور پر مولانا کے نقشِ قدم پر چلے۔ مولانا کے پیاروں کو پوری محبت دی۔ شمس تبریز اور سنا ر صلاح الدین سے منسلک رہے اور اُن کی خدمات سرانجام دیں۔اپنے والد کے خلیفہ چلپی حسام الدین کے ساتھ بھی ایسی ہی محبت کے ساتھ منسلک رہے اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کو اپنی خواہش سے اُن کا جانشین مقرر کیا اور خود ایک مرید کی طرح اُن کی خدمت کی۔ اِن تین تصوف کے ستونوں کے

علاوہ سلطان ولد ایک طویل عرصہ تک روحانی تربیت کے حوالے سے کئی سال تک بیگ تیمور اوغلو شیخ کریم الدین سے بھی منسلک رہے اور اُن سے فیض حاصل کیا۔ بیگ تیمور اوغلو شیخ کریم الدین مولانارومی کے ہی شاگرد تھے۔ صاحبزادہ سلطان ولد، چلپی حسام الدین کی وفات کے بعدخلافت ملنے کے باوجود شیخ کریم الدین کو اپنا شیخ شمار کرتے تھے۔ شیخ کریم الدین نے نومبر۱۲۹۲ء میں وفات پائی اور سلطان ولد نے اُن کو اپنے والد کی قبر کے بالکل ساتھ ہی دفن فرمایا۔ صاحبزادہ سلطان ولد اپنے والد کی مسند کی نمائندگی کے ساتھ ساتھ اپنی پیروی کر نے والوں کی تعداد کو بھی بڑھا تے رہے۔ صاحبزادہ سلطان ولد نے مولانا کی وفات کے بعد اوّل امیر بدرالدین گوہرتاش کی طرف سے بنائے گئے مدرسہ سے منسلک رہے اور اپنے خاندانی گھر ہی میں سکونت اختیار کی۔ لیکن مریدین کے اضافہ سے جگہ کم پڑ گئی تو صاحبزادہ سلطان ولد نے نیا مدرسہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ سلجوقی امراء اور اہل خیر کے تعاون سے چند سال کے اندر ایک نیا مدرسہ تعمیرہو گیا۔ صاحبزادہ سلطان ولد اپنا آبائی گھر چھوڑ کر اپنی اہلیہ اور بچوں سمیت اِس نئے مدرسے میں قیام پذیر ہوگئے۔ ایک لمبے عرصہ تک ملائے جدید یا ولدیہ کے نام سے موسوم یہ مدرسہ وقت گذرنے کے ساتھ خستہ حالی کا شکار ہوتا چلا گیا۔۱۸۸۸ء میں اِس مدرسے میں مزید کمرے تعمیر کر کے اسے سکول بنا دیا گیا۔ نومبر ۱۹۵۱ء میں مولانا کے نام سے منصوب گراؤنڈ کو مزید وسیع کر نے کے لیے اِس سکول کو گرا دیا گیا۔ نیا مدرسہ بننے کے بعدوہ مدرسہ جس میں مولانا رہتے تھے، مدرسہ ملائے عتیق کے نام سے موسوم ہوا۔

صاحبزادہ سلطان ولد کی تشکیلات وتنظیمات

صاحبزادہ سلطان ولد جب مسندِ خلافت پر تشریف فرما ہوئے تو چلبی حسام الدین کے برعکس آپ کے آنے سے درگاہ میں حرکت اور جان پڑ گئی۔ چلبی حسام الدین شرم وحیاء کے پیکر، ہر وقت اپنا محاسبہ کرنے والے اور خاموش طبع انسان تھے جبکہ صاحبزادہ سلطان ولد ملنسار طبیعت کے حامل تھے۔ عوام اور سرکار کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ اگرچہ مولانا کے اجتماعات کا نام تو اُس وقت مقرر نہیں ہوا تھا پھر بھی اجتماع صاحبزادہ ولد کے نام سے ''ولدی'' موسوم تھااور کبھی مولانا کی نسبت سے ''مولوی'' بھی کہا جاتا تھا۔ صاحبزادہ سلطان ولد کے دوستانہ اور درویشانہ ماحول میں اضافہ ہو تا چلا گیا۔ تیرھویں صدی میں ہی مولانا کی تربت اور اُس کی اطراف، صاحبزادہ سلطان ولد کے پیرکاروں کے مجمع سے بھر گیا۔ صاحبزادہ سلطان ولد نے اُس جگہ کو مزید بہتر انداز سے ترتیب دیا جہاں چلبی حسام الدین نے مثنوی خوانی کی روایت شروع کی تھی۔

درگاہ میں مثنوی پڑھنے کے دن اور اوقات کا تعین کیا اور محفل سماع کا وقت بھی مقرر کیا۔ سماع اور مطرب کے لیے قواعد وضع کیے۔ مزار اور درگاہ کے عطیات کو بڑھایا، نئے وقف قائم کر کے درویشوں کے اٹھنے بیٹھنے، سماع و موسیقی کے لیے نئی عمارات تعمیر کروائیں۔ درویشوں کی تربیت کے لیے بھی قواعد و ضوابط بنائے اور سکھائے۔ صاحبزادہ سلطان نے مولانا کے سلسلۂ تصوف میں داخل ہونے والوں کے لیے پیروی کے اصول و ارکان کی تفصیلات بہت باریک بینی سے متعین کر کے نمائندوں کو اناطولیہ کے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں بھیجنا شروع کر دیا۔ اپنے خاص مرید شیخ سلیمان ترکمانی کو کرشہر (Kırşehir) روانہ کیا اور وہاں پر مولانا کی خانقاہ بنوائی۔ صاحبزادہ سلطان ولد نے بطور خلیفہ محمد علاء الدین کو اماسیا (Amasya) اور حسام الدین حسین کو

ارزنجان (Erzincan) بھیجا اور عوام الناس کو مولانا کے نورانی سلسلہء تصوف میں لانے کا کام تیزی سے شروع کیا۔اس ساری جد وجہد کے نتیجہ میں صاحبزادہ سلطان ولد کے انتقال کے قریب یہ سلسلہ سرکاری طور پر قائم ہو گیا۔

ازواج و اولاد

صاحبزادہ سلطان ولد نے سنار صلاح الدین کی صاحبزادی فاطمہ خاتون سے شادی کی۔ اُن کے بطن سے ایک صاحبزادہ عظیم عارف چلبی، مطہرہ عابدہ اور شرف عارفہ نامی دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ فاطمہ خاتون کی وفات کے بعد نصرل خاتون اور سنبل خاتون نامی دو عورتوں سے اکٹھے شادی کی۔ پہلی بیوی سے شمس الدین عابد اور دوسری بیوی سے صلاح الدین زاہد اور حسام الدین واجد نامی دو بیٹے پیدا ہوئے۔ سلطان ولد نے اپنی بیٹی مطہرہ عابدہ خاتون کی شادی گرمیان کے سلیمان شاہ سے کردی۔ صاحبزادہ سلطان ولد ۲ نومبر ۱۳۱۲ء کو ۸۶ سال کی عمر میں مختصر علالت کے بعد اس دارِ فانی سے دارِ ابدی کی جانب کوچ کر گئے۔ ان کو مولانا کی تربت میں والد کی قبر کی بائیں جانب دفن کر دیا گیا۔ وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادہ عظیم عارف چلبی چالیس سال کی عمر میں والد کی مسند پر گدی نشین ہوئے۔

علو عارف چلبی (وفات: ۱۳۲۰ء)

حضرت مولانا کے پوتے اور صاحبزادہ سلطان ولد کے بڑے بیٹے علو عارف چلبی ۶ جون ۱۲۷۲ء کو جب پیدا ہوئے تو مولانا حیات تھے۔ مولانا بچے کی پیدائش کے بعد خانہء زچگی میں فاطمہ خاتون کے پاس تشریف لائے، انہوں نے سر میں زیورات لگائے، بعد میں بچے کو گود میں لیا اور:

مبارکباد بر ما ان فریدون　　　که گردد پادشاهِ دین فریدون

ترجمہ: ''فریدون ہمیں مبارک ہو، دین کا بادشاہ بنے۔''

کہہ کر پوری غزل پڑھی اور بچے کا نام فریدون عارف رکھا۔ اور پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: ''اِس بچے کو علو عارف کہہ کر بلانا! میرے والد نے بھی مجھے خداوندگار کہہ کر پکارا کرتے تھے نہ کہ نام کے ساتھ۔ میں اُس کو یہ نام روحانی تحفے کے طور پر دے رہا ہوں۔''

مولانا اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دن مولانا اپنے صاحبزادہ سلطان ولد سے یوں مخاطب ہوا: ''میں اس بچے میں سات نور دیکھ رہا ہوں۔ ایک میرے بابا بہاء الدین کا، دوسرا شیخ برہان الدین، تیسرا حضرت شمس، چوتھا شیخ صلاح الدین، پانچواں چلبی حسام الدین کا، چھٹا میرا اور ساتواں اپنا نور ہے۔''

عارف چلبی جب ایک سال کے ہوئے تو لوگ اُن کو بہت پسند کرنے لگے۔ مولانا اور حسام الدین اُس کو اپنی گود سے الگ نہیں ہونے دیتے تھے۔ تاہم نورِ الٰہی سے چمکنے والا یہ پیارا سا بچہ جب ڈیڑھ سال کا ہوا تو مولانا ابدی حیات کی جانب کوچ کر گئے۔ علو عارف بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ کیفیت و اطوار میں مولانا کے مشابہ ہو رہا تھا۔ اِسی مشابہت کی وجہ سے لوگوں نے اُن کو علو عارف چلبی کہنا شروع کر دیا۔ چلبی کا مطلب اللہ کا دیا ہوا، راہِ خدا کا مسافر یا اللہ والا ہونے کے ساتھ ساتھ بیگ اور آقا کے معانی بھی دیتا ہے۔ چلبی حسام الدین کے بعد صاحبزادہ سلطان ولد کو بھی ولد چلبی کہا جاتا تھا۔ لیکن اصل چلبی کا عنوان علو عارف سے ہی شروع ہوا۔ اِس کے بعد قونیہ میں مولانا کے ہر جانشین شیخ کو چلبی کہا جانے لگا۔ بلکہ یہ کنیت مولانا کے نسب میں مردوں کے نام کا مستقل حصہ بن گئی۔ صاحبزادہ سلطان ولد بھی علو عارف سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہیں روحوں کا شیخ کہتے تھے۔ اُن کو بہترین تعلیم دلوائی۔ مولانا کے

ملفوظات پڑھوائے۔ بلوغ کی عمر کو پہنچے تو قونیہ میں امیر قیصر تبریز کی بیٹی دولت خاتون کے ساتھ شادی کروائی۔ اِس شادی سے دو بیٹے جن کے نام بہاء الدین امیر عالم، مظفر الدین امیر عادل اور ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام ملکہ تھا۔ علو عارف اتنے ذہین تھے کہ مولانا کے تمام ملفوظات کو زبانی یاد کر لیا اور مجالس میں اُن کے ملفوظات کو زبانی پڑھتے۔ جذباتی اور جرأت مندانہ طبیعت کے مالک تھے۔ بعض مواقع پر جلد جذباتی ہو جاتے۔ موقع کے مطابق فیصلہ کرتے تھے اور حاضر جواب تھے۔ آپ کا رویہ شمس تبریزی سے زیادہ میل کھاتا تھا۔ آپ کی ہر حرکت اور ہر بات کرامت سے کم نہ تھی۔

علو عارف چلبی نے سلسلہ مولویہ کے تعارف اور اُس کی اشاعت کے لیے اناطولیہ کے دورے کیے۔ یہاں تک کہ تبریزیہ، ایشیا میں مرندہ اور سلطانیہ تک گئے۔ان تمام علاقوں میں سلطانوں، بزرگوں اور علاقے کے نمبرداروں کی طرف سے بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا گیا، سراؤں میں اور مہمان خانوں میں ان کی خوب مہمان نوازی کی گئی۔ آپ نے ہر جگہ احترم پایا اور اپنے خطبات اور اعمال سے لوگوں کو خواب غفلت سے جگایا۔ اِن اسفار میں آپ کی اطاعت کرنے والے اور آپ کے افکار کو اپنانے والے درویش بھی ساتھ تھے۔ علو عارف چلبی اِن میں سے اکثر کو اُن شہروں میں چھوڑتے اور وہاں مولوی سلسلے کی خانقاہ قائم کرنے کی تجویز دیتے۔ اِن میں لرندے (Larende)، کارامان (Karaman)، بے شہر (Beyşehir)، اَکسرائے (Aksaray)، اَک شہر (Akşehir)، اَفیون (Afyon)، اَمسیا (Amasya)، نِغدے (Niğde)، سِواس (Sivas)، توکات (Tokat)، برگی (Birgi)، دینزلی (Denizli)، اَلانیہ (Alanya)، بائی برت (Bayburt)، عرضِ روم (Erzurum) جیسے شہر تھے۔ عرضِ روم سے تبریز بھی اُن ہی سالوں میں جانا ہوا۔ اِس سفر میں احمد افلاکی بھی ساتھ

تھے۔ صاحبزادہ سلطان ولد کے قونیہ میں مولوی سلسلے کی سربراہی اور علو عارف کے دعوتی اسفار کے سالوں میں سلجوقی حکومت بھی صفحۂ ہستی سے مکمل طور پر ختم ہونے کے مراحل میں تھی۔ اناطولیہ کے ہر علاقے میں سرداری نظام قائم ہوگیا تھا۔ ہر ایک سردار نے آزادی کا اعلان کر دیا اور اپنی سرحدیں قائم کر لیں۔ سلجوقیوں کے زمانے میں اناطولیہ میں ہجرت کرنے والے اوغز اور ترکمن قبائل کے یہ سردار ایشیا سے اناطولیہ کی طرف مہاجر بن کر آنے والے خراسان کے درویشوں اور صوفیوں کا بہت احترام کرتے اور اُن کے مواعظ سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ اِس صوفیانہ ماحول میں مولانا جیسے عظیم مرشد کے محبوب پوتے علو عارف چلبی کا شہر شہر، بستی بستی ملاقاتیں کرنا لوگوں کو اچھا لگتا تھا اور لوگ بڑی خوشی سے اُن کا استقبال کرتے تھے۔ اُن کا دو مرتبہ خاندانِ الحان(İlhanlı) کے دارالحکومت سلطانیہ میں جانا، مغل خانوں اور سرداروں سے ملنا اور اُن سے اپنے علم و عرفان کو قبول کروانا کوئی آسان بات نہ تھی۔ اپنے والد صاحبزادہ سلطان ولد کی وفات کے بعد علو عارف چلبی اناطولیہ کے اکثر شہروں میں پہچانے جانے والے اور ایران و عراق تک شہرت کا دائرہ کار رکھنے والے جانشین بن گئے تھے۔ آپ نے سلطان ولد کے بعد اپنے دور میں جن روایات کی بنیادیں رکھیں وہ چھ سو سال تک قائم رہیں۔ علو عارف چلبی کے بعد قونیہ میں مولانا کی درگاہ کے گدی نشینی مولانا کے نسب میں سے نسل در نسل بالترتیب چلتی رہے گی۔

علو عارف کی قونیہ میں مولانا کی درگاہ پر جانشینی آٹھ سال تک قائم رہی۔ اِن آٹھ سالوں میں ایک محتاط اندازے کے مطابق علو عارف نے اپنے والد کی طرف سے ملنے والی مولوی طریقت کو قونیہ کے مرکز میں پہلے سے زیادہ مضبوط بنیادوں پر قائم کیا اور اُس کی اشاعت کی۔ اپنے قابلِ بھروسہ اور معتمد دوستوں کو ایک ایک کر کے خانقاہِ

مولویہ کی تبلیغ کے لیے مختلف شہروں میں ذمہ داریاں سونپیں۔ مولانا کی تربت اور درگاہ کے وقف کی آمدنی کو بڑھایا۔ قواعدِ طریقت کا پھر سے جائزہ لیا، سماع اور ذکر کے کچھ مزید اصول وضع کیے اور جوانی ہی میں ۵ نومبر ۱۳۲۰ء کو منگل کے دن ۴۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کا جسد خاکی مولانا کی تربت میں پاؤں کی جانب بائیں طرف دفن کیا گیا۔ آپ کی قبر کے اوپر اینٹوں سے تابوت بھی بنایا گیا۔

شمس الدین عابد چلبی (وفات: ۱۳۳۸ء)

علو عارف چلبی نے وفات سے قبل درگاہ کے ذمہ داریاں اپنے بھائی شمس الدین امیر عابد چلبی کے حوالے کر دی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد امیر عابد چلبی درگاہ کے چوتھے شیخ بنے۔ سلجوقی حکومت ختم ہو جانے کے بعد قونیہ میں کارامان اوغلو (Karamanoğlu) کی حکومت قائم ہوئی تو خاندانِ الخان کے حکمران ابو سعید بہادر خان نے اناطولیہ کی طرف امیر چوبان نامی کمانڈر کو گورنر بنا کر بھیجا۔ امیر چوبان کے ساتھ کارامان اوغلو کی جھڑپ ہوئی۔ علو عارف چلبی کی وفات کے بعد امیر چوبان کے بیٹے تیمور تاش نے قونیہ کو کارامان اوغلو سے واپس لے لیا۔ تاہم تیمور تاش کے ساتھ امیر عابد چلبی کے تعلقات کچھ اچھے نہیں تھے۔ کیونکہ امیر چوبان اور اُس کے بیٹے تیمور تاش دونوں نے ابو سعید بہادر خان کے خلاف آزادی کا اعلان کیا اور اناطولیہ کا نظم و نسق اپنی خواہش کے مطابق چلانا شروع کر دیا تھا۔ سیاسی ہلچل کی وجہ سے پیدا ہونے والی بے چینی کے حالات میں امیر عابد چلبی بہ مشکل قونیہ کے گدی نشین بنے اور سلسلہء مولویہ کی ترقی کے لیے زیادہ محنت نہ کر سکے۔ سن ۱۳۲۷ء میں تیمور تاش کے مصری مملوکوں (غلاموں) کی پناہ لینے کے بعد امیر عابد چلبی نے ایک مرتبہ سلطانیہ جانا چاہا۔ لیکن اِس سفر سے مطمئن نہ ہونے کی بنا پر تبریز سے واپس چلے گئے۔ امیر عابد چلبی کی

اِس ناراضگی کو محسوس کرتے ہوئے بہادر خان نے ۱۳۳۳ء میں امیر سنگور آغا نامی ایک آدمی کو اُن کا دل رکھنے کے لیے مختلف قسم کے تحائف کے ساتھ قونیہ بھیجا۔ بہادر خان کے ہدیوں میں نشان تاس(پانی پینے کا پیالہ) بھی تھا جس پر سونے اور چاندی کے پترے جڑے ہوئے تھے، کتبے اور منقش تصویریں بھی تھیں۔ یہ فن کے شاہکار آج بھی مولانا کے میوزیم میں بطور نمائش کے موجود ہیں۔ سن ۱۳۳۵ء میں بہادر خان کی وفات اور خاندانِ الخان کی حکومت ختم ہوتے ہی اناطولیہ میں سرداری نظام نے پھر سے سر اٹھایا۔ قونیہ کارامان اوغلو کے ہاتھوں میں آگیا۔ احمد افلاکی لکھتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ ایرتنا (Eretna) بیگ کی تجویز پر امیر عابد چلبی ایرتنا بیگ کا سفیر بنے اور اِس سفارت کی ذمہ داریوں کے بعد قونیہ واپس آکر امیر عابد چلبی نے دوبارہ سے درگاہ کی گدی نشینی کو سنبھالا۔ کارامان اوغلو کے تعاون کے ساتھ تربت اور درگاہ کی مرمت کروائی۔ امیر عابد چلبی نے ۲۳ جولائی ۱۳۳۸ء کو وفات پائی اور اپنے بھائی علو عارف چلبی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اِس کے بعد قونیہ مولوی درگاہ کی خلافت اور مقامِ چلبی یعنی چلبی گدی اُن کے بھائی حسام الدین واجد چلبی کو منتقل ہوگئی۔

حسام الدین واجد چلبی (وفات: ۱۳۴۲ء) اور امیر عالم چلبی (وفات: ۱۳۵۰ء)

علو عارف چلبی کے فرزند حسام الدین واجد چلبی امیر عالم چلبی کی غیر موجودگی میں خلیفہ کی ذمہ داریاں اور انتظامی کام کرتے تھے۔ جولائی ۱۳۳۸ء میں گدی نشین ہونے کے بعد کچھ زیادہ سرگرم نہ رہے۔ ۷ فروری ۱۳۴۲ء کو وفات کے بعد گدی صرف چار سال تک ہی قائم رہ سکی۔ آپ کی وفات کے ساتھ ہی قونیہ کی درگاہ کچھ عرصے کے لیے خالی ہو گئی۔ روایت کے مطابق واجد چلبی کے بعد امیر عالم چلبی کا مسند سنبھالنا ضروری تھا۔ اس لیے کہ واجد چلبی کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ امیر عالم چلبی بھی قونیہ

سے بہت دور رہتے تھے اور وہ مسند پر بیٹھنے سے ہچکچا رہے تھے۔ وہ اپنے والد کے ساتھ تبریز گئے اور واپس نہ آئے۔ کہا جاتا ہے کہ ترکستان جا کر انھوں نے وہاں مولانا کے افکار و خیالات کی تبلیغ بھی کی۔ ان کے آنے تک چھوٹے بھائی امیر عادل چلبی بطور نائب آٹھ سال اُن کی مسند سنبھالے رہے۔ ۱۳۵۰ء میں جب امیر عالم چلبی کی وفات کی خبر قونیہ پہنچی تو اُن کی جگہ امیر عادل چلبی باقاعدہ گدی نشین ہوئے۔ سلسلہ مولویہ میں امیر عادل چلبی کے آٹھ سالہ دور کو نیابت کا دور کہا جاتا ہے۔

امیر عادل چلبی (وفات: ۱۳۶۸ء)

امیر عادل چلبی نے سن ۱۳۵۰ء میں مسندِ چلبی کو سنبھالا اور ۱۸ سال خدمات سرانجام دیں اور ''عادل چلبی اوّل'' کے نام سے جانشینوں کے شجرے میں اپنا مقام بنایا۔ مولانا اور اُن کی اولاد کے مناقب لکھنے والے اور اِس حوالے سے اہم مواد فراہم کرنے والے احمد افلاکی جو کہ ۱۳۶۰ء میں وفات پا چکے تھے ان کے پاس بھی ان اٹھارہ سالوں کے متعلق کوئی معلومات نہیں ہیں۔ اُن کی مناقب العارفین نامی کتاب میں آخری تذکرہ امیر عادل چلبی کا ہی ملتا ہے۔ اِس اہم کتاب کے ۱۳۶۰ء میں خاموش ہونے پر ایک الگ کتاب نے سلسلہ مولویہ کی تا ریخی روشنیاں بکھیرنا شروع کر دیں۔ کتاہیا (Kütahya) شہر کی مولوی خانقاہ کے شیخ ثاقب مصطفیٰ دادا (وفات: ۱۷۳۵ء) کی اس کتاب کا نام "سفینۂ نفیسۂ مولویان" ہے۔ سن ۱۳۵۰ء اور ۱۳۶۸ء کے درمیان علو عارف چلبی کا بیٹا امیر عادل چلبی مولانا کی مسند پر بطور نمائندہ گدی نشین ہوا۔ اس وقت قونیہ کرامان اوغلو کے ہاتھوں میں تھا۔ کرامانی سردار مولانا اور درگاہ میں رہنے والوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ کرامان اوغلو کی تاریخ کے مؤرخ شکاری نے کرامانی سرداروں کے احترام کے ساتھ ساتھ امیر عادل چلبی کے مرید ہونے تک کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

امیر عالم چلپی ثانی (وفات: ۱۳۹۵ء)

امیر عادل چلپی کے جانشین عالم چلپی ثانی کے زمانے میں کرامان اوغلو علاء الدین بے نے مولانا کی والدہ مومنہ خاتون، بھائی محمد علاء الدین اور اہلیہ گوہر خاتون کی قبروں پر ۱۳۷۰ء میں مزار اور مسجد بنوائی۔ امیر عالم چلپی ثانی ہر وقت عبادت میں منہمک رہتے اور سماع کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ انہوں نے ۲۷ سال درگاہ میں جانشینی کے فرائض انجام دیئے۔ چلپی کا انتقال ۱۳۹۵ء میں ہوا اور مولانا کے مزار میں ہی دفن ہوئے۔ انتقال کے بعد مسند پر امیر عادل چلپی کے فرزند عارف چلپی گدی نشین ہوئے۔

عارف چلپی ثانی (وفات: ۱۴۲۱ء)

علو عارف چلپی کے پوتے عارف چلپی کو اپنے دادا سے الگ کرنے کے لیے لوگ عارف ثانی بھی کہتے تھے۔ وہ جب مسندِ چلپی پر فائز ہوئے تو اُن دنوں اناطولیہ ہنگاموں کی زد میں تھا۔ اس وقت قونیہ میں عارف چلپی ایک طویل عرصے تک اناطولیہ میں گشت کرتے رہے اور اُن شورش میں نہ پڑتے ہوئے درویشوں کو بھی سیاست سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ اُن کا سب سے اہم کام مولانا رومی کے مزار کی مرمت تھا جو کہ امیر عابد چلپی ثانی کے دور میں کرامان اوغلو علاؤ الدین بے کی طرف سے شروع کی گئی تھی۔ یہ مرمت ۱۳۹۷ء تک جاری رہی۔ مزار تقریباً پورا ہی دوبارہ تعمیر کروایا گیا۔ چار ستونوں پر واقع مشرقی اور مغربی حصے کے درمیان نوکیلی آرچوں والی دیواریں بنائی گئیں۔ صرف جنوبی دیوار کو اپنی اصل حالت میں باقی رکھا گیا اور مزار کی توسیع کر کے باہر والی قبروں کو بھی مزار کے اندر داخل کر دیا گیا۔ اِس کے علاوہ آرچوں کو ایک دوسرے سے ملانے والے گول گنبد کے اوپر مزید ایک گنبد اٹھایا گیا جو آج تک قائم ہے۔ گنبد اور باہری گول سطح کو ٹائل سے خوبصورت بنایا گیا ہے۔ عارف

چلبی ثانی ۲۶ سال تک جانشینی کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۴۲۱ء میں وفات پا گئے۔ انہیں بھی مولانا کے مزار ہی میں دفن کیا گیا۔

پیر عادل چلبی (وفات: ۱۴۶۰ء)

عارف چلبی ثانی کی وفات کے بعد اُن کی جگہ پر امیر عابد چلبی کے بیٹے پیر عادل چلبی کو لایا گیا۔ ۳۹ سال تک مسندِ چلبی پر جلوہ افروز رہنے والے پیر عادل چلبی کو طریقتِ مولویہ کا دوسرا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ اُن کے زمانے میں دوبارہ سے طریقت کے اصول قائم کیے گئے۔ کیونکہ ابھی تک طریقت حقیقی معنوں میں نہیں تھی بلکہ صرف اور صرف روایتی طور پر چل رہی تھی۔ اسی لئے عادل چلبی کا پیر کے طور پر مشہور ہونا اُن کے مولوی طریقت کے لیے ایک مستقل آئین وضع کرنے کی وجہ سے ہے۔ پیر عادل چلبی کے ساتھ طریقت کے بنیادی قوانین مضبوط ہو گئے اور طریقت ایک مستقل ادارہ کی شکل اختیار کر گئی۔ اصل میں اُن کی خلافت کے زمانے میں اناطولیہ میں قدرشناسی اور خلوتی نامی دو فرقوں نے سر اٹھایا اور اُن کی تبلیغ شروع ہوچکی تھی نیز حاجی بیکتاش ولی کے مزار پر جمع ہونے والے ترکمن، بیکتاش کے نام سے ایک نئ طریقت کو پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اِس لئے سلسلۂ مولویہ کا دیگر کسی بھی سلسلے کے درمیان شخصیت کا تلاش کرنا، فکری اور شکلی اعتبار سے قوائد کے ساتھ اُس کی حد بندی ضروری ہوگیا تھا۔ یہ کام پیر عادل چلبی نے کیا۔ پیر عادل چلبی ۱۴۶۰ء میں وفات پا گئے اور اُن کی جگہ اُن کے بیٹے جمال الدین چلبی نے لے لی۔

جمال الدین چلبی (وفات: ۱۵۰۹ء)

جمال الدین چلبی کے زمانے میں دو واقعات اہم ہیں۔ اِن میں سے پہلا ۱۴۶۷ء میں کرامان اوغلو کی حکومت کا خاتمہ کر کے سلطان محمد فاتح کا قونیہ کو فتح کرنا

ہے۔ سلطان فاتح کے قونیہ فتح کرنے کے ساتھ اشراف کے بعض خاندانوں کو قونیہ سے بدر کر کے استنبول بھیجنے کے واقعے میں جمال الدین چلبی مانع ہوئے۔ انہوں نے قونیہ میں بطور والی متعین ہونے والے شہزادہ مصطفیٰ اور اس کے بعد سلطان جیم کے ساتھ دوستانہ تعلقات بنائے۔ ۱۴۸۱ء میں سلطان محمد کی وفات کے بعد اماسیہ (Amasya) کے والی کی حیثیت سے عثمانی تخت پر بیٹھنے والے شہزادہ بایزید اور دوسری طرف اِس تخت کے دعویدار سلطان جیم کے درمیان ہونے والے واقعہ میں ملوث نہ ہوئے اور اس طرح جمال الدین چلبی نے سلطان بایزید ثانی کے دل میں احترام حاصل کیا۔ جمال الدین چلبی کے زمانے میں دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ عثمانی بادشاہ سلطان بایزید نے مولانا کے مزار پر قلم کاری و نقش نگاری کرائی۔ مولانا کے مرید محمد بن عبدالرحمٰن اِس نقش نگاری کے استاد تھے۔ مزید برآں مزار کے اندر تابوت کے اوپر برسا (Bursa) شہر کے بنے ہوئے ریشم اور دیبا کی چادریں بھی چڑھائیں۔ درگاہ پر ۴۹ سال تک جانشینی کے فرائض انجام دینے والے جمال الدین چلبی ۱۵۰۹ء میں انتقال فرما گئے اور یہ بھی مولانا کے مزار میں دفن ہوئے۔

خسرو چلبی (وفات: ۱۵۶۱ء)

مآخذِ مولویہ کے مطابق جمال الدین چلبی کا اکلوتا بیٹا ''قاضی محمد پاشا'' تھے جو اپنے والد کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ اس لئے جمال الدین چلبی کی وفات کے بعد ان کے پوتے خسرو چلبی ان کے جانشین ہوئے۔ خسرو چلبی کے زمانے میں یاوز سلطان سلیم جب ایران و مصر کے سفر پر روانہ ہوئے تو واپسی پر سرِ راہ قونیہ رکے۔ اس کے بعد ہر دفعہ مولانا کے مزار کی زیارت کرتے، ضروری مرمت کرواتے اور درویشوں میں ہدایہ تقسیم کرتے۔ مولانا کے مزار کے صحن میں موجود فوّارہ یاوز سلیم نے

اسی سفر کے دوران بنوایا تھا۔ خسرو چلبی کے زمانے میں سلطان سلیم کے بیٹے ''قانونی سلطان سلیمان'' نے بھی مولانا کے مزار پر بڑی خدمات سر انجام دیں۔ قانونی ۱۵۴۱ء میں بغداد جاتے ہوئے قونیہ میں ٹھہرے تو مولانا کے مزار کی زیارت کے دوران مزار کے ساتھ ایک سماع ہال اور ایک مسجد بنوانے کا حکم دیا۔ اُن کے شریکِ سفر اور سفر نامہ لکھنے والے متراکچی نسوح نے بیانِ منزلِ سفرِ عراقین نامی کتاب میں مولانا کی درگاہ کے اُس وقت کے حالات کا نقشہ کھینچا ہے اور اُس وقت کی ایک تصویر بھی دی ہے۔ سلطنتِ عثمانیہ کے طاقتور اور عالیشان دور میں یاوز سلیم اور قانونی سلطان سلیمان جیسے بادشاہوں کے ہم عصر اور اُن کے دلوں میں اپنا احترام پیدا کرنے والے خسرو چلبی نے درگاہ کے حوالے سے مالدار اوقاف کے تعاون سے ایک شاندار زندگی گذاری۔ اس کے علاوہ قونیہ اور میرام کے باغوں میں محل تعمیر کروائے۔ خسرو خود شاعر، خوش مزاج اور ہنس مکھ ہونے کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے۔ ۶۲ سالہ جانشینی کے فرائض انجام دینے کے بعد ۸۰ سال سے زائد عمر میں ۱۵۶۱ء میں وفات پائی۔

فرّوخ چلبی (وفات: ۱۵۹۱ء)

خسرو چلبی کے ۱۵۶۱ء میں وفات پا جانے کے بعد انکی جگہ پر اُن کے ۴۲ سالہ صاحبزادے فروخ چلبی درگاہ پر گدی نشین ہوئے۔ فروخ چلبی نے بھی اوقاف کے زیرِ سایہ والد کی طرح شاہانہ زندگی گذاری۔ قونیہ کے صوبائی گورنر کے بعد اُن کا نام آتا اور جو حکم وہ دیتے اُس پر فوراً عمل ہوتا۔ بادشاہ کی قرابت کی وجہ سے مولوی سلسلہ کی مخالفت کرنے والے علماء جلنے لگے اور چلبی کے خلاف افواہوں کا جال پھیلانا شروع کردیا۔ خسرو چلبی کے دورِ جانشینی میں محل کے علماء، شیخ الاسلام کمال پاشا زادہ، اُن کے ساتھی اور قاضی زادوں کی طرف سے شروع کی گئی اِس مخالفت کے نتیجے میں مولوی درگاہ

کو بند ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ بیچ میں پڑنے والے دانشور اور مولانا کے پرستاروں نے بادشاہ سے چند مرتبہ اِس خطرے کو دور کرا دیا۔ قانونی کی وفات کے بعد سلطنتِ عثمانیہ پر تخت نشین ہونے والے سلطان سلیم ثانی نے جو کہ قونیہ کے والی تھے، درگاہ کے مغرب میں ایک بہت بڑی مسجد، مدرسہ اور ایک عمارت بنوانی شروع کی جو ان کے دور ہی میں مکمل ہو گئی۔ ان کے جانشین بیٹے سلطان مراد ثالث نے خدمت کے اِس گہرے عزم کو برقرار رکھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد فرّوخ چلبی کو بادشاہ کی مرضی کے مطابق قونیہ کی شیخوخت سے ہٹا کر استنبول بھیج دیا گیا۔ ۱۷ سال تک جاری رہنے والی اِس جلاوطنی کے آغاز و اختتام اور مسندِ چلبی کے حوالے سے زیادہ معلومات نہیں ملیں۔ فرّوخ چلبی ۱۵۹۱ء میں فوت ہوئے اور اُن کے بڑے بیٹے بوستان چلبی درگاہ میں گدی نشین ہوئے۔

بوستان چلبی (وفات: ۱۶۳۰ء)

فرّوخ چلبی کی وفات کے وقت اُس کا بیٹا بوستان اوّل استنبول میں تھا۔ اسی دوران اُس نے شہزادہ سلطان احمد اوّل کے ساتھ دوستی قائم کر لی اور اُسے سلسلہ مولویہ کا معتقد بنا لیا۔ تخت نشین ہونے والے سلطان محمد ثالث کے تعاون سے جب درگاہ کے شیخ بنے تو سب سے پہلے بادشاہ کے ساتھ ہونے والے تنازعہ کو ختم کیا اور پھر قونیہ میں مولانا کے مزار کی زیارت کے بعد تخت جانشینی پر جا بیٹھے۔ اس کے علاوہ اوقاف کے کام کو نئے سرے سے ترتیب دیا، نیز درویشوں کو دوبارہ جمع کیا، استنبول میں کھولے جانے والے نئے دروازے (Yeni Kapı)، بیشکتاش (Beşiktaş) قاسم پاشا کے مولوی خانوں کے لیے شیخ متعین کیے اور مولوی درگاہوں کے اتحاد اور ہم آہنگی کو دوبارہ قائم کیا۔ عثمانی بادشاہ سلطان احمد اوّل جب ۱۶۰۳ء میں تخت نشین ہوا تو بوستان چلبی کے حالات بہت بہتر ہو گئے۔ بختی تخلص کا حامل شاعر بادشاہ وقتاً فوقتاً مولانا کے مزار پر

ہدیے اور قبروں پر ریشمی چادروں کے چڑھاوے بھیجتے تھے اور مولانا کے ساتھ عقیدت کا اظہار شعروں میں بھی کرتے رہتے تھے۔ بوستان چلبی کی قونیہ میں جانشینی ۱۶۳۰ء تک جاری رہی۔ بوستان چلبی کے دور میں مولوی طریقت کو چار چاند لگے اور سب سے زیادہ اشاعت اُس دور میں ہوئی۔ چلبی کی کرامتوں کا تذکرہ ہر طرف ہونے لگا۔ بہت سے شاعر، ادیب اور کمانڈر حضرات آکر چلبی کی زیارت کرتے، ہاتھ چومتے اور دعاؤں کی درخواست کرتے۔ مثنوی کی تفصیلی اور اعلی تشریح کرنے والے مشہور شاعر اور عالم رسوخی اسماعیل بابا بوستان چلبی کے قریبی مرید تھے۔ اناطولیہ کے شہروں میں مولوی خانقاہیں بوستان چلبی کے دور میں قائم ہوئیں۔ مولوی سلسلہ کی اشاعت سلطنتِ عثمانیہ کے زیر تسلط ممالک میں بہت تیزی سے ہونے لگے۔ اُس دور میں مولوی درویشوں کی تعداد ۸۰ ہزار تک ہو گئی تھی۔ بوستان چلبی ۱۶۳۰ء میں فوت ہوئے اور اُن کی جگہ پر اُن کے بھائی ابوبکر چلبی جانشین ہوگئے۔ بوستان چلبی کی قبر بھی مولانا کے مزار کے اندر ہے۔

ابوبکر چلبی (وفات: ۱۶۳۸ء)

درگاہِ مولویہ کی جانشینی جس سال ابوبکر چلبی نے سنبھالی، اُس وقت تختِ عثمانی پر سلطان مراد رابع جلوہ افروز تھے۔ سلطان مراد رابع ''آیا صوفیا'' (Hagia Sophia) کی مسجد کے واعظ قاضی زادے اور اُن کے ساتھیوں کے زیرِ اثر تھے۔ اِس وجہ سے سلطان مراد رابع صوفی نظریات اور طریقت کے مخالف بن گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مولوی درگاہ کے ساتھ اُن کا رویہ غیر منصفانہ رہا۔ حتی کہ انہوں نے لوگوں کے اکسانے پر ابوبکر چلبی کو شیخوخت سے ہٹا کر استنبول بھیج دیا۔ جلا وطن ہو کر آنے والے ابوبکر چلبی استنبول میں وزیر بائرام پاشا کے محل میں بطور مہمان ٹھہرے رہے۔ انہوں نے ۱۶۳۸ء میں وفات پائی اور Yeni Kapı مولوی خانے کے ساتھ صحن میں دفن ہوئے۔

چھوٹے عارف چلبی (وفات: ۱۶۴۲ء)

استنبول جلاوطن کیے جانے والے ابوبکر چلبی کی جگہ پر ماں کی طرف سے مولانا کے نسب میں آنے والا ولد چلبی کا بیٹا چھوٹے عارف چلبی جانشین بنا۔ چھوٹے عارف چلبی کچھ عرصہ قبل افیون (Afyon) شہر کی مولوی خانقاہ میں بھی شیخ رہے۔ تاہم قونیہ کی مولوی درگاہ پر پہلی مرتبہ براہِ راست مولانا کے خاندان میں بجائے باپ کے اناس نامی عورت کی نسل سے چلبی مقرر ہوئے۔ چھوٹے عارف چلبی کی جانشینی پانچ سال تک جاری رہی۔ ۱۶۴۲ء میں وفات کے بعد اُن کی جگہ پر سابق جانشین فرّوخ چلبی کے پوتے حسین چلبی جانشین ہوئے۔

حسین چلبی (وفات: ۱۶۶۶ء)

مولانا کے خاندان کے حسن چلبی کا بیٹا حسین چلبی عثمانی بادشاہ سلطان ابراہیم اور محمد رابع کے زمانے میں جانشین رہے۔ ابوبکر چلبی کی استنبول جلاوطنی، افیون شہر کی درگاہ سے عارف چلبی کا درگاہ قونیہ کا جانشین بنانا، یہ مسلسل تین سو سال سے جاری مولوی روایت میں مداخلت تھی۔ کیونکہ اس وقت تک صرف مولانا کے خاندانی نسب میں سب سے بوڑھا رکن جانشین بن سکتا تھا۔ لیکن اِس گدی نشینی پر نظریں ٹکانے والوں کی ایک گروہ نے سیاسی چالبازی کے تحت مقام چلبیہ کو اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کی۔ حسین چلبی کی ۱۶۶۶ء میں وفات کے بعد یہ فتنہ اور بڑھ گیا۔ حسین چلبی کے بعد پھر سے مولانا کے خاندانی نسب سے عبدالرحمٰن چلبی کے بیٹے عبدالحلیم چلبی جانشین بن گیا۔

عبدالحلیم چلبی (وفات: ۱۶۷۹ء)

عبدالحلیم چلبی کا دور مولوی طریقت کے تنزل کا دور ہے۔ استنبول کے قاضی زادوں کے پیروکاروں میں ''وانی'' نامی ایک خطیب اپنے فنِ خطابت کی بنا پر مشہور ہوا۔

صدر اعظم (Köprülü) کوپرلو محمد پاشا کی وفات کے بعد اُن کا بیٹا بھی ''وانی'' کی شہرت سے متاثر ہوا اور اُس کی شہرت کا تذکرہ محل میں بھی ہونے لگا تھا۔ ایک دن سلطان محمد رابع خفیہ گشت کے دوران ''وانی'' کے گھر پہنچے، ملاقات کر کے بڑا خوش ہوئے اور اُن کو محل میں بطور شیخ متعین کر دیا۔ وانی افندی نے اِس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن دنوں میں جھوٹے امام مہدی ہونے کے دعویداروں کا بہانہ بنا کر ملک کے سارے آستانے بند کرا دینے کا فرمان جاری کروایا اور مولوی خانوں میں سماع پر بھی پابندی لگوا دی۔ ۱۶۶۶ء میں ہونے والا یہ اقدام مولوی سلسلے کے لئے ''بدپابندی'' کے نام مشہور ہوا۔ یہ پابندی وانی کے زوال ۱۶۸۴ء تک قائم رہی۔ اسی دوران عبدالحلیم چلبی بھی ۱۶۷۹ء میں فوت ہو گئے۔ پھر اُن کے بیٹے کارا بوستان چلبی گدی نشین ہوگئے۔

کارا بوستان چلبی (وفات: ۱۷۱۱ء)

قونیہ کے علاوہ دوسرے شہروں اور قصبوں کے مولوی خانوں، آستانوں اور درباروں میں اٹھارہ سال تک سماع پر پابندی کے بعد طریقت تباہ ہو گئی اور درویش بھی بکھر گئے۔ مولوی خانوں کے درویش ناراض اور پابندی کے ختم ہونے کا انتظار میں تھے۔ آخر کار ۱۶۸۴ء میں مولوی درویشوں کو پہلے کی طرح درگاہوں میں سماع کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ آزادی کا یہ پیغام تمام مولوی خانوں کے لیے عید جیسی خوشیاں لایا۔ سماع پر پابندی ختم ہونے کے بعد کارا بوستان چلبی (بوستان ثانی) نے تباہ ہونے والی درگاہ کے اوقاف کو دوبارہ سے منظّم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اٹھارہ سالہ پابندی کے دور میں جن قاضیوں اور اماموں نے درگاہ کے اوقاف کو لوٹا تھا، اُن سب کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ درگاہ کی سابقہ ساکھ بحال ہوگئی، سلسلہ چلبیہ نے اپنا مقام دوبارہ حاصل کر لیا اور تمام درویش قونیہ اور اپنی قریبی درگاہوں میں واپس ہونا شروع ہو

گئے۔ پابندی کے زمانہ میں درگاہ کے اوقاف کے قابضین اور مفادپرست ٹولہ نئے حیلوں سے چلبی کو بادشاہ کی نظروں سے گرانا چاہ رہے تھے اور اِس میں وہ کسی قدر کامیاب بھی ہو گئے۔ چلبی کو حج پر بھیجنے کے بہانے سے قونیہ سے دور کر دیا گیا اور درگاہ کے اوقاف کو پھر سے ختم کر دیا۔ چلبی جب حج سے واپس آئے تو انہیں قبرص بھیج دیا گیا۔ چالیس دن قبرص میں رہنے کے بعد معافی نامہ ملنے پر واپس قونیہ آ گئے۔ اِن تکالیف اور مشکلات کا سامنا صبر کے ساتھ کرنے والے چلبی ۱۷۱۱ء میں پچاسی سال کی عمر میں دارِ فانی سے ہجرت کر گئے اور درگاہ میں ہی دفن ہوئے۔ اُن کی جگہ پر اُن کے بڑے بیٹے صدرالدین چلبی جانشین ہوئے۔

صدر الدین چلبی (وفات: ۱۷۱۱ء)

تاریخی مأخذ کے مطابق صدرالدین چلبی دو مرتبہ والد کی مسند پر بیٹھے۔ پہلی مرتبہ والد کے حج پر جانے اور واپسی پر قبرص میں قیام کے دوران جانشین بنے دوسری دفعہ والد کی وفات کے بعد جانشین بنے۔ صدرالدین چلبی کی ۱۷۱۱ء میں وفات کے بعد مسند چلبی ایک مرتبہ پھر اختلافات کا شکار ہوگئی۔ آخر کار کارا بوستان چلبی کے چچا عبدالرحمٰن چلبی کے بیٹے محمد عارف چلبی جانشین ہو گئے۔

محمد عارف چلبی (وفات: ۱۷۴۶ء)

۱۷۴۶ء تک ۳۵ سال شیخوخت کے مسند پر بیٹھنے والے محمد عارف چلبی کے زمانہ میں سلطنتِ عثمانیہ کے زیر تسلط علاقوں میں نئے مولوی خانے کھولے گئے۔ مولوی سلسلہ اناطولیہ سے نکل کر عرب ممالک کے علاوہ روم، سربستان اور مجرستان یعنی یورپ تک پھیل گیا۔ استنبول، برسہ (Bursa)، ایسکی شہر (Eskişehir)، کستامونو (Kastamonu)، افیون (Afyon)، کتاہیا (Kütahya) اور منیسا (Manisa) جیسے

شہروں میں بڑے بڑے مولوی خانے اور عرب ممالک میں بغداد، موصل، کرکوک، حلب، حما، حمص، شام، قدس، مدینہ، مکہ، ایران، تبریز، اک دینز (Akdeniz) کے جزیروں قبرص (لفکوشا)، گریت (ہنیا)، ساکز، مدلّی، سیروز، رومیلی اور یورپ میں بلغراد، بوسنا سرائے، فلپائن، نش، پیچ، سلانک، اسکپ اور وودینہ کے شہروں میں مولوی آستانے کھل گئے۔ اِس وقت استنبول میں گلاتا(Galata)، قاسم پاشا (Kasım Paşa)، ینی کاپی (Yenikapı)، بیشکتاش (Beşiktaş)، بھاریہ (Bahariye) اور اسکودار (Üsküdar) میں چھ مولوی خانے تھے۔ محمد عارف چلبی نے مولانا کی درگاہ کی مغربی جانب ملحقہ صاجبزادہ سلطان کے مدرسہ (مدرسہ ملّا جدید) کی بحالی کے علاوہ اُس کو مزید وسیع کیا اور اُس جگہ پر چلبی خاندان کے بچوں کے لیے ایک سکول قائم کیا۔ اِس کے علاوہ درگاہ کے شمالی مہمان خانے کو بھی اُن کے دور میں بنایا گیا۔ ۱۷۴۶ء میں محمد عارف چلبی کی وفات کے بعد اُن کا بیٹا ابوبکر چلبی ثانی جانشین مقرر ہوا۔

ابوبکر چلبی ثانی (وفات: ۱۷۸۵ء)

غریبی تخلص والا ابوبکر چلبی ثانی کا زمانہ سیاسی اور داخلی بحران کا زمانہ تھا۔ چلبی کے دو بیٹے اُن کی زندگی ہی میں فوت ہوئے تھے۔ اُن کا اور کوئی بیٹا نہ ہونے کی بنا پر اُن کی زندگی ہی میں جانشینی کا مسئلہ موضوع بحث رہا۔ اِن حالات میں ابوبکر چلبی طریقت سے ہٹ کر ریاستی کاموں میں داخل ہو گئے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنا شروع کر دیا۔ اُن کی یہ سرگرمیاں حکومت کی طرف سے ناپسند کی گئی۔ سلطان نے جانشینی چھوڑنے اور مثنوی خوان علی زادہ کو بطور جانشین مقرر کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اِسی دوران ابوبکر چلبی کی کارامان کے گورنر چرکش حسن پاشا کے ساتھ بھی ٹھن گئی۔ اُس نے ینی چیری(Yeni Çeri) فوج کو اُن کے خلاف اکسایا۔ ۱۷۷۶ء میں ایک شخص کی

پھانسی کے آرڈر کے خلاف ابوبکر چلبی ثانی نے ایک ہجوم کے ساتھ عدالت کو بھر دیا اور مثنوی خوان کے گھر پر چڑھائی کر دی نیز قونیہ میں ایک بڑی بغاوت شروع ہو گئی۔ وقت کے ساتھ معاملہ دب گیا لیکن چلبی کے خلاف پھانسی کا آرڈر ہو گیا جسے شیخ الاسلام نے منسوخ کروا کے ۱۷۷۶ء میں انہیں منیسا میں اقامت پر مجبور کر دیا۔ کچھ عرصہ تک منیسا میں جلاوطنی کے بعد ابوبکر چلبی ثانی معافی نامہ ملنے پر واپس قونیہ آگئے۔ انہوں نے ۱۷۸۵ء میں قونیہ میں وفات پائی۔ ابوبکر چلبی ثانی کی وفات کے بعد جانشینی کے لئے نسوانی نسب میں سے مثنوی خوان سید علی زادہ کے علاوہ مردانہ نسب سے کارامان کی خانقاہ کے شیخ اسماعیل چلبی کے بیٹے حاجی محمد چلبی کا نے بھی مطالبہ کر دیا۔ دونوں کو استنبول بلایا گیا اور محل کے مہمان خانے میں صدر اعظم اور ریاست کے رہنماؤں کی موجودگی میں ہر ایک کا موقف سنا گیا۔ بالآخر جانشینی حاجی محمد چلبی کو دے دی گئی۔

حاجی محمد چلبی (وفات: ۱۸۱۵ء)

حاجی محمد چلبی کی ۳۰ سالہ جانشینی کا اکثر حصہ سلطان سلیم ثالث کے دور میں گزرا۔ ہوشیار اور جدت پسند بادشاہ سلیم بھی مولوی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور استنبول میں گلاتا (Galata) اور دوسری مولوی خانقاہوں کی زیارت کرتے تھے۔ سلیم ثالث نے افواج کی اصلاح کے لیے ''نظام جدید'' قائم کیا۔ اِن اصلاحات کی تحریک کے بعد گورنروں کو محتاط رہنے کی تلقین کی۔ اُن دنوں میں قونیہ کے گورنر قاضی عبدالرحمٰن پاشا تھے۔ قاضی عبدالرحمٰن پاشا نے قونیہ اور اردگرد کی بغاوتوں کو سفاکی سے کچل دیا اور قونیہ کے اشراف میں سے بعض لوگوں کو قتل کروا دیا۔ اِن واقعات میں حاجی محمد چلبی کو کنارہ کش رکھنے کے لئے کتاہیا یا افیون جانے کا مشورہ دیا گیا جسے چلبی نے مسترد کر دیا۔ اس وجہ سے اُن کا نام بھی باغیوں میں شمار ہونے لگا۔ آخر کار یہ سمجھ کر کہ مسندِ چلبی

اب زیادہ دیر قائم نہیں رہے گی، اپنے نو سالہ بیٹے محمد سعید ہمدم چلبی کو خلافت سونپ کر اپنی جگہ بٹھا دیا۔ اس وقت سلطان محمود ثانی تخت پر تھا اور مولوی سعید خالد افندی اُس کا مصاحب ہونے کے علاوہ اُن کا بہت قریبی آدمی تھا۔ حاجی محمد چلبی نے استنبول کے کاموں کو سعید خالد افندی کے سپرد کر رکھا تھا۔ حاجی محمد چلبی اپنے بیٹے محمد سعید ہمدم چلبی کے فرمانِ خلافت کا انتظار کرتے ہوئے ۱۸۱۵ء میں وفات پا گئے اور سعید ہمدم چلبی بھی استنبول روانہ ہو گئے۔

محمد سعید ہمدم چلبی (وفات: ۱۸۵۸ء)

چلبی خاندان کے ۹ افراد کے ساتھ استنبول آنے والے چھوٹی عمر کے محمد سعید ہمدم چلبی کو بادشاہ، وزراء اور ارکانِ ریاست نے خوش آمدید کہہ کر ان پر احسان کیا۔ صدر اعظم کے دربار میں جبہ پوشی کی گئی۔ سعید ہمدم چلبی استنبول میں ایک ماہ رہے۔ اسکودار (Üsküdar) کی خانقاہ کے شیخ سے دعائیں اور مبارک باد لے کر واپس قونیہ روانہ ہوئے۔ نو سال کی عمر میں جانشین بن جانے کی وجہ سے چچا فرّوخ چلبی اُن کا وکیل بنا۔ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچنے تک درگاہ کے انتظام کو انہوں نے سنبھالا۔ اِس دوران فارسی اور عربی زبان سیکھنے والے ہمدم چلبی نے جید علماء کے ہاتھوں میں مہذب انداز سے پرورش پائی۔ تعلیم یافتہ سعید ہمدم چلبی چوالیس سال مسندِ چلبی پر فائز رہے۔ مولانا کی درگاہ میں ایک بہت بڑی لائبریری کا قیام ان کی ایک ناقابل فراموش خدمت ہے۔ کیونکہ اُس وقت تک درگاہ میں لکھی گئی اور درگاہ کو وقف کی جانے والی قیمتی کتابوں کو کسی کتب خانے میں جمع کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس سے پہلے کتابیں چلبی کے گھر میں ہوتیں یا پھر کسی کے پاس سنبھالی ہوئی ہوتیں۔ ابو بکر چلبی کے جلا وطنی کے زمانے میں بہت سی کتب استنبول بھیج دی گئی تھیں۔ کتاب کی قیمت کو جاننے والے سعید

ہمدم چلبی نے بکھری ہوئی اور چلبیوں کے گھروں میں موجود کتابوں کو جمع کروایا اور ایک رجسٹر میں درج کروا دیا۔ ۱۸۵۴ء میں بننے والے کتب خانے میں چلبی کی وقف شدہ اِن کتابوں کو نام بہ نام مہر لگا کر رجسٹر کر لیا گیا۔ اُس وقت محمود ثانی بادشاہ تھے اور مولوی سلسلہ کو بادشاہ کی حمایت حاصل تھی۔ محمود ثانی نے بہت ساری خانقاہوں کی مرمت بھی کروائی اور اوقاف کے کاموں کو بھی مرتب کیا۔ اس طرح سلطان عبدالمجید کے دور میں سعید ہمدم چلبی کا مقام اور مرتبہ محل میں بہت مضبوط ہو گیا تھا۔ سعید ہمدم چلبی عبدالمجید کی سب سے اعلیٰ ڈگری کا تمغہ حاصل کرنے کے لیے استنبول گئے۔ چلبی کی وفات استنبول سے واپسی کے دو سال بعد ۱۸۵۸ء میں ہوئی۔ اس کے بعد بڑے بیٹے محمود صدرالدین چلبی جانشین بن گئے۔

صدرالدین چلبی (وفات: ۱۸۸۱ء)

محمود صدرالدین چلبی خوش مزاج اور خیر پسند شیخ کے طور پر پہچانے گئے۔ گدی نشینی کے زمانے میں قونیہ کے بازار میں موجود بلند مسجد (Yüksek Cami) اور کاپو مسجد (Kapu Cami) کسی لاپرواہی سے مکمل طور پر جل کر راکھ ہو گئیں۔ قونیہ کے والی احمد توفیق پاشا اور صدرالدین چلبی نے مل کر سلطان عبدالعزیز اور ان کی والدہ پرتونیال سلطانہ (Pertevniyal) کے تعاون سے ۱۸۷۴ء میں بلند مسجد کی جگہ عزیزیہ مسجد تعمیر کروائی جبکہ ۱۸۶۸ء میں کاپو مسجد کی تعمیر محمود صدرالدین چلبی کی امدادی رقم سے ہی مکمل کیا گیا۔ اِس کے علاوہ جلنے والی ۵۵ دکانیں دوبارہ بنوائی گئیں۔ قونیہ ۱۸۷۳ء میں خشک سالی کی زد میں آگیا۔ قونیہ کے گورنر احمد اسعد پاشا اور محمود صدرالدین چلبی کا لوگوں کے لیے جگہ کا انتظام اور امداد کے لیے بھاگ دوڑ کی بدولت درگاہ کے احترام میں اضافہ ہوگیا۔ سلطان عبدالعزیز نے اُن کو اس نیکی پر تمغہ بھی دیا۔ صدرالدین چلبی

۱۸۸۱ء میں فوت ہوگئے۔ اُن کی جگہ بڑے بھائی فخرالدین چلبی مسندِ چلبی پر بیٹھے۔

فخرالدین چلبی (وفات: ۱۸۸۲ء)

مولانا کی درگاہ پر بطور شیخ متعین ہونے والے فخرالدین چلبی صرف ایک سال تک جانشین رہے۔ ۱۸۸۲ء میں اُن کی وفات کے بعد اُن کے بھائی مصطفیٰ صفوت چلبی جانشین مقرر ہوئے۔

مصطفیٰ صفوت چلبی (وفات: ۱۸۸۷ء)

مصطفیٰ صفوت چلبی نے پانچ سال تک مولانا کی درگاہ پر جانشینی کے فرائض انجام دیئے۔ انہوں نے مولانا کے مزار پر موجود سبز گنبد کو مرمت کروایا۔ گنبد کی گولائیوں کو نئے سرے سے بنوایا۔ ۱۸۸۷ء میں اُن کی وفات کے بعد اُن کی جگہ اُن کے بھتیجے سعید ہمدم کے بیٹے عبدالوحید چلبی نے لی۔

عبدالوحید چلبی (وفات: ۱۹۰۷ء)

عبدالوحید چلبی نے بیس سال تک جانشینی کے فرائض انجام دیئے۔ وہ ذہین اور سخی شیخ ہونے کے ساتھ عثمانی بادشاہ عبدالحمید ثانی کی سلطنت کے خلاف بولنے کی طاقت بھی رکھتے تھے۔ عبدالوحید چلبی ایک گورنر کی سی شاہانہ زندگی گزارتے اور احکام جاری کرتے تھے۔ کسی کو اگر حکومت کے حوالے سے کام ہوتا تو وہ چلبی سے درخواست کرتا، چلبی قونیہ کے پیر طریقت ہونے کی حیثیت سے لوگوں کے مسائل حل کرتے، فقراء کا خیال رکھتے تھے۔ ۱۹۰۷ء میں وفات کے بعد اُن کے بیٹے عبدالحلیم چلبی جانشین بنے۔

عبدالحلیم چلبی (پہلا دور)

والد کے اوصاف کا پیکر عبدالحلیم چلبی کے جانشینی کے دور میں حکومت کی طرف سے دوسری آئینی ترمیم کا اعلان کر دیا گیا۔ اس ترمیم کے زیر اثر فکری حریت نے دینی

معاملات پر بہت زیادہ اثر ڈالا۔ اسی وجہ سے عبدالحلیم چلبی کو قونیہ درگاہ کی جانشینی سے ہٹا دیا گیا اور اُن کی جگہ نجیب چلبی کے بیٹے بہاؤالدین ولد چلبی کو متعین کر دیا گیا۔

ولد چلبی (ازبوداک) (وفات: ۱۹۵۳ء)

بہاؤالدین ولد چلبی کے جانشینی میں پیش آنے والا سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ پہلی جنگِ عظیم میں مولوی درویشوں پر مشتمل ''مجاہدینِ مولویہ'' نام کی ایک رجمنٹ بنا کر کنال کے محاذ پر بھیجی گئی۔ سلطان محمد رشاد کے مقدس اعلان جہاد پر بنایا گیا یہ لشکر Yeni Kapı درگاہ کے شیخ عبدالباقی افندی کی کمان میں ۱۹۱۶ء میں شام پہنچا لیکن عسکری تربیت نہ ہونے اور لشکر میں شامل کچھ بوڑھے شیخوں کی وجہ سے بلانتیجہ واپس چلا گیا۔ اس لشکر میں سے کچھ لوگ مکہ اور مدینہ پہنچ کر زیارات میں مصروف ہو گئے۔ سلطان محمد رشاد کی وفات اور پہلی جنگِ عظیم کے بعد ۱۹۱۹ء میں ولد چلبی کو جانشینی سے الگ کر دیا گیا اور اُن کی جگہ عبدالحلیم چلبی دوبارہ جانشین بن گئے۔

عبدالحلیم چلبی (دوسرا دور)

عبدالحلیم چلبی قونیہ میں دوبارہ جانشین بنے، عثمانی مجلسِ مبعثان میں بطور قومی اسمبلی کے رکن شامل ہوئے۔ اُن کے بعد اُن کی جگہ ۱۹۲۰ء میں یعقوب چلبی کے بیٹے عامل چلبی جانشین مقرر ہوئے۔

عامل چلبی (وفات: ۱۹۲۰ء)

عامل چلبی کی جانشینی بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے مختصر رہی اور وہ ۱۹۲۰ء میں وفات پا گئے۔ اُن کی جگہ تیسری مرتبہ عبدالحلیم چلبی جانشین مقرر ہوئے۔

عبدالحلیم چلبی (تیسرا دور؛ وفات: ۱۹۲۵ء)

۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۵ء کے درمیان قونیہ کی مولوی درگاہ پہ تین مرتبہ جانشین رہنے

والے عبدالحلیم چلبی نے اس دفعہ قومی اسمبلی کی وزارت بھی سنبھالے رکھی اور پہلی بڑی قومی اسمبلی کی صدارت بھی کی۔ عبدالحلیم چلبی قومی اسمبلی میں تنسیخ طریقت کے قانون کی تیاری کے دوران 1925ء میں وفات پا گئے۔ اسی سال طریقت کو منسوخ کرنے کا قانون بن گیا۔ ترکی میں موجود تمام دربار، درگاہیں اور آستانوں کو بند کروا دیا گیا اور مولانا کے مزار اور سلسلۂ مولویہ کی درگاہ کو اتاترک کے حکم پر میوزیم بنا دیا گیا۔ دو سال میں درگاہ کو منظّم کرنے کے بعد ۱۹۲۷ء میں ''قونیہ آثارِ قدیمہ میوزیم'' کے نام سے زائرین کے لیے کھول دیا گیا۔

چلبی سلسلے کا سرکاری طور پر خاتمہ

عبدالحلیم چلبی کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے محمد باکر چلبی نے قونیہ کے درگاہ بند ہو جانے کی وجہ سے سلسلۂ چلبیہ کو حلب کی خانقاہ میں جاری رکھا۔ ۱۹۳۷ء میں ترکی واپسی پر باکر چلبی کو شامی حکومت نے دوبارہ حلب واپس آنے کی اجازت نہ دی۔ خانقاہ حلب کی جانشین کی وکالت شامی فرانس زدہ حکومت کی طرف سے عبدالحلیم چلبی کے بیٹے واحد چلبی کو سونپ دی گئی۔ ۱۹۴۳ء میں محمد باکر چلبی استنبول میں وفات پائے اُن کی جگہ اُن کے بیٹے جلال الدین چلبی مسندِ چلبی پر جانشین ہوئے۔ ان کے جانشین ہوتے ہی ۱۹۴۴ء میں شامی حکومت نے حلب کی درگاہ کو ختم کر کے درگاہ کو اوقاف انتظامیہ کے حوالے کر دیا۔ اِس طرح سے سلسلۂ چلبیہ ۱۹۴۴ء میں اختتام پزیر ہو گیا۔

محمد باکر چلبی (وفات: ۱۹۴۳ء)

محمد باکر چلبی نے سلسلہ چلبیہ کو حلب میں قائم کیا اور بیرون ممالک کی خانقاہوں کو اِس سلسلے کے ساتھ جوڑنے میں کافی کامیاب رہے۔ صرف Hatay کا ترکی کے ساتھ مسئلہ الحاق میں تائید کی وجہ سے شامی عکومت نے ۱۹۳۷ء میں انہیں واپسی کی

اجازت نہ دی۔ اُن کی وفات تک اُن کے بھائی شمس الواحد چلبی نے مسند کو سنبھالے رکھا۔ محمد باکر چلبی کی ۱۹۴۳ء استنبول میں وفات کی وجہ سے حلب میں موجود واحد چلبی کے چلبی سلسلہ کی توثیق نہ ہوسکی جس کی بنا پر مولویہ اور چلبی سلسلہ بھی تاریخ بن گیا۔

جلال الدین باکر چلبی (وفات: ۱۹۹۶ء)

مولانا رومی کے اکیسویں واسطہ سے پوتے جلال الدین باکر چلبی محمد باکر چلبی کے بیٹے تھے اور اُن کی والدہ کا نام عزت خاتون تھا۔ جلال الدین چلبی ۲۴ دسمبر ۱۹۲۴ء کو حلب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، عربی، فرانسیسی اور انگریزی زبانیں سیکھیں۔ حلب کی خانقاہ میں مکمل طور پر آستانہ کی تربیت میں پلے۔ ۱۹۵۷ء میں استنبول آکر چلبی کچھ عرصے کے لیے اسکندرون (İskenderun) اور آمک (Amik) کی وادی میں زراعت و تجارت میں مشغول رہے۔ اس کے علاوہ استنبول میں مولانا رومی کی کتابوں کی جانچ پڑتال اور نشرواشاعت کا کام کیا۔ جلال الدین باکر چلبی ۱۳ اپریل ۱۹۹۶ء کو استنبول میں وفات پا گئے۔ جنازہ قونیہ لایا گیا اور اچلر (Üçler) قبرستان میں دفن کیا گیا۔

فاروق ہمدم چلبی (ولادت: ۱۹۵۰ء)

فاروق ہمدم چلبی ۲۵ دسمبر ۱۹۵۰ء کو حلب کی خانقاہ میں پیدا ہوئے۔ یہ جلال الدین باکر چلبی کے دوسرے بیٹے تھے۔ آپ کے والد عبدالحلیم چلبی کے پوتے تھے جو مولانا رومی کے انیسویں واسطہ میں تھے۔ عبدالحلیم چلبی قومی اسمبلی میں ڈپٹی چیئرمین بھی رہے اور آپ کی والدہ گزیدہ خاتون بھی عثمانی وزیر نامک پاشا کی پوتی تھیں۔ وہ ابتدائی سالوں میں حلب کے جمیلیہ محلّہ کے ایک گھر میں قران کریم کی تفسیر، حدیث شریف اور مثنوی کے اسباق، نے (بانسری) اور سماع کی مشق میں مشغول رہے۔ مولوی ادب کے

موضوع پر پہلی تعلیم اپنے والد اور خانقاہ کے بزرگ فرہاد بابا سے حاصل کی۔ حصول تعلیم کے لئے حلب سے آبائی وطن چلے گئے اور استنبول میں Işık کالج میں پرائمری، مڈل اور میٹرک کی تعلیم مکمل کی۔ اِس کے بعد مرمرہ (Marmara) یونیورسٹی میں بزنس سیکشن میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۳ء میں گریجویٹ کیا۔ ایک طرف اپنی تعلیم جاری رکھی اور دوسری طرف مولوی آداب و ارکان سے متعلق زمانے کے معروف مولویوں سے اسباق لئے۔ ۱۹۵۹ء میں Yeni Kapı خانقاہ کے شیخ رسوحی بے کارا سے سماع کی مشق کی۔ ۱۲ سال کی عمر میں پہلی دفعہ سماع زن کے طور پر سامنے آئے اور ۱۹۶۴ء میں قونیہ کی شب عروس کے میلے میں سماع زن کے طو رپر شامل ہوئے۔ مدحت بہاری (Midhat Bahari)، عبدالباقی گل پینارلی (Abdulbaki Gölpınarlı)، شفیق جان، خلیل جان، سعدالدین ہیپر (Sadettin Heper)، شیخ سلمان تژن (Selman Tüzün)، دوغان ایرگن (Doğan Ergin)، حافظ حسین توپ، امین اِشک اور جنوچن تانریکورر (Cinuçen Tanrıkorur) جیسے مولوی ادب کے حامل لوگوں کے ساتھ رہے اور ان کے ساتھ استنبول میں ہر جمعہ کی شام ہونے والے سبق اور مجلس میں بلا ناغہ شریک ہوتے رہے۔ ۱۹۹۶ء میں والد جلال الدین چلبی کی وفات پر کاروباری معاملات کے ساتھ مسندِ چلبی کی ذمہ داریاں بھی پورا کرنا شروع کر دی۔

مولانا رومی کی تصانیف

فیہ ما فیہ

یہ کتاب مولانا رومی کے اُن ملفوظات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً سلجوقی سلطان امیر معین الدّین سلیمان پروانہ کو لکھے تھے۔ معین الدّین پروانہ، شاہِ قونیہ رکن الدّین قلیج ارسلان (Ruknuddin Kılıçarslan) کے حاجب (وزیر) تھے اور دربار کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ اُن کو مولانا رومی سے بہت عقیدت تھی اور اکثر و بیشتر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ مولانا رومی کی یہ کتاب بالکل نایاب تھی۔ لیکن مولانا عبد الماجد دریاآبادی نے اُس کو دریافت کیا اور اُس کی ترتیب و تہذیب کر کے ۱۹۲۸ء میں شائع کر دیا ہے۔ بعد میں ایران سے بھی اُس کی نئ اشاعتیں ہو چکی ہیں۔ ملفوظاتِ رومی کے نام سے اُس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔

دیوان

عوام اِس کو شمس تبریزی کا دیوان سمجھتے ہیں حتی کہ لوح کے اوپر دیوانِ شمس تبریز لکھ دیا جاتا ہے۔ مغالطہ کی بنیاد یہ ہے کہ مولانا رومی اکثر غزلوں کے مقطع میں شمس تبریزی کا نام لکھا کرتے تھے۔ لیکن در اصل یہ خود مولانا رومی کا دیوان ہے۔ اُس میں پچاس ہزار اشعار ہیں۔ محققین نے تصریح کی ہے کہ مولانا رومی نے یہ دیوان شمس تبریزی ہی کے نام سے لکھا تھا۔ چنانچہ اکثر شعراء نے اِس دیوان کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں اور مقطع میں تصریح کی ہے کہ یہ غزل مولانا رومی کی غزل کے جواب میں ہے۔

مثنوی معنوی

مولانا رومی کی اِس کتاب نے اُن کو حیاتِ جاوداں عطا کی ہے۔ اِس کتاب کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی اِس قدر بڑھی کہ تمام فارسی تصانیف اُس کے مقابلہ میں ہیچ ہو کر رہ گئیں۔ مولانا رومی کی مثنوی آج بھی ہزاروں دلوں کو روشن کر رہی ہے۔ اِس مثنوی کے کل اشعار کی تعداد ۲۶۶۶ ہے۔ مشہور ہے کہ مولانا رومی نے چھٹا دفتر ناتمام چھوڑ دیا تھا۔ اُس مسلسل نظم کو مثنوی کہا جاتا ہے جس کے ہر شعر میں دو قافیے ہوں۔ چونکہ اِس میں عالمِ معنی اور احوالِ باطن کے اسرار و معارف کا تذکرہ ہے اس لئے اِس مثنوی کو مثنوی معنوی کہا جاتا ہے۔

مکتوبات

مولانا رومی کے خطوں کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے اور رومی شناسی میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔

شہرِ قونیہ کی مختصر تاریخ

تاریخ اور ثقافت کا دارالحکومت

''قونیہ'' جو تاریخ میں بہت سے تمدّنوں کا گہوارہ ہے، ایک ایسا مرکز ہے جس نے اپنے تاریخی ورثہ اور ثقافتی سرمائے کو آج کی دنیا سے جوڑ دیا ہے۔ چتل ہویوک (Çatalhüyük) جو دائمی اور مستقل زندگی کی پہلی قیام گاہ مانی جاتی ہے، ہیٹائیٹ (Hittite) تک، فریگز (Frigs) سے کِمّرز (Kimmers) تک، لیڈیا (Lydia) سے فارس (Persian) تک، یونان (Greece) سے سکندر اعظم تک، رومن (Roman) سے سلجوقیوں تک اور اِس کے علاوہ عثمانی ترکوں تک قونیہ بہت سی قوموں اور تمدّنوں کا مرکز بن چکا ہے۔ یہ شہر ایک ایسا سمندر ہے جس میں مولانا رومی، شمس تبریزی، صدر الدّین قونوی، خواجہ نصرالدّین اور اِن جیسے دیگر اربابِ علم کے فکری دھارے گھل مل گئے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ دریا ہے۔ قونیہ ایک ایسا پر سکون شہر ہے جس نے رواداری کا بیج انسانوں کے دلوں میں موج در موج بویا ہے۔ قونیہ ایک ایسا دارالحکومت ہے جس میں ہر سال ہزاروں انسان الٰہی آہنگ کے ساتھ اپنی روحوں کو پگھلانے کے لیے لہر در لہر آتے ہیں اور یہاں اُن کے دل سکون پاتے ہیں۔ قونیہ ترکی کا سب سے اہم شہر اور مل جل کے رہنے کی روایت کا بہترین نمونہ ہے اور آج تک مختلف ثقافتوں اور تمدن کی بیش بہا میراث کو اعتنا کے ساتھ محفوظ رکھتے ہوئے تقریبا ایک کھلا ہوا میوزیم دکھائی دے رہا ہے اور یہاں ہر تمدن کا شاہکار کام محفوظ



ہے۔ قونیہ اور اُس کے ارد گرد ما قبل تاریخ (Prehistoric) سے آبادی موجود ہے اور اُس کے آس پاس سے پتھر کے زمانے

نیولیتیک، کالکولیتیک اور تانبے کے ابتدائی زمانے کی بہت سی چیزیں دریافت ہوئی ہیں۔ قونیہ میں قبل از مسیح ۷۰۰۰ سے آبادی موجود ہے اور یہ شہر بہت سے تمدّنوں کا گہوارہ ہے۔ اگر یہ تصور کیا جائے کہ دستاویز یعنی تحریر قبل از مسیح ۳۵۰۰ میں استعمال میں لایا گیا تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ قونیہ دنیا میں آبادی کا سب سے پرانا مرکز ہے۔ قونیہ کے قریب واقع چتل ہویوک دنیاء میں ایک ایسا مرکز ہے جہاں سب سے پہلے کھیتی باڑی کی گئی، وحشی جانوروں کے حملوں کا مقابلہ مشترک طور پر کیا گیا، سب سے پہلے آگ استعمال میں لائی گئی، انسان مستقل طور پر قیام پذیر ہوا اور کھانے کی روایت سب سے پہلے شروع ہوئی۔ قونیہ ہمیشہ تمدّن کا مرکز رہا ہے۔ ہیٹائیٹ اور لیڈیا قبل از مسیح چھٹی صدی میں، فارس قبل از مسیح چوتھی صدی میں، سکندر اعظم، سیلوکوس (Seleukos)، سلطنتِ پرگامون (Pergamon) قبل از مسیح دوسری صدی میں اور رومن نے بعد از مسیح ۳۹۵ میں قونیہ اور اُس کے اردگرد پر قبضہ کیا تھا۔ ساتویں صدی کے شروع میں ساسانی اور پھر اُسی صدی کے درمیان سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنی امیہ نے قونیہ پر عارضی طور پر قبضہ کر لیا تھا۔ قونیہ دسویں صدی تک روم کا ایک صوبہ رہا ہے اور پھر مسلمان عربوں نے یہاں پر حملہ کیا، فتحِ ملازگرت (Malazgirt) سے پہلے یہاں سب سے پہلے (۱۰۶۹ء) جو آئے وہ سلجوقی تھے۔ سلجوقی سلطان آلپ ارسلان (Alparslan) نے ۱۰۷۱ء میں روم کے دروازے ترکوں کے لئے کھول دیئے۔ سلطان آلپ ارسلان نے فتح کے بعد اپنے سرداروں کو روم کی مکمل فتح کا کام سپرد کیا۔ کتلمش



اوغلو Kutalmışoğlu سلطان سلیمان شاہ نے قونیہ کو فتح کیا۔ اُس کے بعد اُس نے مغرب کا رخ کیا، ازنک (İznik) کو مرکز بنایا

اور ۱۰۷۴ء میں اناطولیہ میں سلجوقی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اِس فتح کے ساتھ قونیہ میں ترکوں کا اسلامی دور شروع ہوا۔ ازنک ۱۰۷۴ء میں سلجوقی سلطنت کا دارالحکومت بنا۔ ۱۰۹۷ء میں عیسائیوں کی مہم کے دوران جب ازنک ہاتھ سے نکل گیا تو دارالحکومت تبدیل کر کے قونیہ بنا دیا گیا۔ اِس طرح قونیہ کی تاریخ میں ایک نیا صحیفہ کھل گیا اور قونیہ رفتہ رفتہ ترقی کرتا چلا گیا۔ یہ شہر بہت سے عمارتی شاہکاروں سے آراستہ و پیراستہ ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں اناطولیہ کا معمور ترین شہر بن گیا۔ عیسائیوں کی تیسری مہم کے دوران جرمن بادشاہ بربروسہ نے قونیہ کا ۱۸ مئی ۱۱۹۰ء کو محاصرہ کیا۔ لیکن قلعہ کو فتح نہیں کر سکا جس کا دفاع قلیچ ارسلان (Kılıçarslan II.) ثانی کر رہا تھا۔ تقریباً ۵ دن کے بعد اُس کو واپس ہونا پڑا۔ چنانچہ سلجوقی سلطنت کے انحطاط تک (۱۳۰۸ء) قونیہ دارالحکومت رہا۔ اُس کے بعد یہاں پر خاندان کرامن اوغلو (Karamanoğlu) نے حکومت کی۔ قونیہ ۱۴۶۷ء میں عثمانی سلطنت کی حدود میں شامل ہو گیا اور آج کل ترکی کا ایک بڑا اور اہم شہر ہے۔ یہ اپنے عالی شان ماضی کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لئے کوشاں ہے۔

چتل ہویوک (Çatal Hüyük)

چتل ہویوک چومرا (Çumra) کے علاقے میں کوچک کوئے (Küçükköy) کے مقام پر واقع ہے۔ یہ دنیا میں سب سے اہم آرکیالوجیکل میدان ہے۔ اُس کی تاریخ ۷۰۰۰ تا ۸۰۰۰ قبل از مسیح بتائی جاتی ہے۔ چتل ہویوک انسانیت کی تاریخ کی پہلی قیام

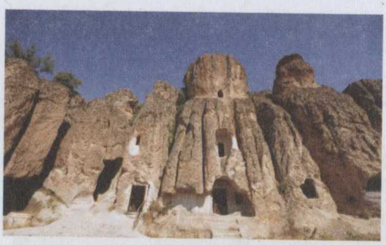


گاہ، فن معماری کا پہلا نمونہ ہے اور انسانیت کے ابتدائی زمانے کی اجتماعی زندگی کے بارے میں اہم معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ یہاں پر سب

سے پہلے ۱۹۶۱ء میں James Mellart نے کھدائی شروع کی تھی۔ یہ کھدائی ۱۹۶۳ء میں ملتوی ہوئی اور پھر ۱۹۹۶ء میں پروفیسر این ہوڈر (Ian Hodder) کی قیادت میں از سرنو شروع ہوئی۔ آج تک یہاں سے جو آثارِ قدیمہ دستیاب ہوئے ہیں اُن میں شہرہ آفاق دیوی کیبلہٗ (Kibele) بھی شامل ہے اور یہ سب قونیہ آرکیالوجی میوزیم میں دکھائے جا رہے ہیں۔ اِس کے علاوہ کھدائی اب بھی جاری ہے۔

کلیسترا (Kilistra)

کلیسترا قونیہ کے جنوب مغرب میں گوک یورت (Gökyurt) کے گاؤں میں اور قونیہ سے ۵۵ کلومیٹر مصافت پر واقع ایک قدیم اور خوبصورت شہر ہے۔ یہ ایک تاریخی مقام کاپاڈوکیا (Cappadocia) جیسا ہے اور عسائیت کا اہم مرکز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عزیز پاؤلوس (Pavlus) جس کا نام انجیل میں آیا ہے، قونیہ - یلواچ (Konya-Yalvaç) کے درمیان بادشاہ کے راستہ (Kral Yolu) سے ہو کر اِس شہر سے گزرتا ہے۔ ایک قدیم شہر کے کھنڈرات پر واقع کلیسترا کے مغرب میں پتھروں پر کھدا ہوا ایک چھوٹا سا کلیسا (Chapel)، تالاب اور شیراخانے (Şırahane) موجود ہیں جو سوغوتلو درسی (Sögütlü Deresi) میں ہیں۔ پھر گاؤں کے مغرب میں واقع



اور پہاڑوں کی طرف ایک دوسرے پر پھیلی ہوئی وادیاں اِتنی خوبصورت اور ایسے حسن سے پر ہیں کہ پری بجالری (Peri Bacalari) سے کچھ کم نہیں ہے۔

افلاطون پیناری (Eflatun Pınarı)

بے شہر (Beyşehir) سے 22 کلومیٹر فاصلہ پر واقع افلاطون پیناری قبل از مسیح بارہویں صدی میں ہیٹائیٹ کے زمانہ میں بنائی گئی تھی جوکہ ہتوشہ (Hattuşa) کے بعد سب سے اہم یادگاری مجسمہ ہے۔ اُس کے آگے ایک مقدس تالاب موجود ہے جس کی لمبائی 40 میٹر اور چوڑائی 30 میٹر ہے۔ یہ یادگاری مجسمہ جس پر طوفان کا



دیوتا، سورج کی دیوی، پہاڑ کا دیوتا، چشمے کی دیویاں جیسے بعض تصویریں موجود ہیں، اُن دیوتاؤں کے بارے میں بتاتا ہے جو آسمان کو سنبھالے ہوئے ہیں اور زمین اور آسمان کے درمیان تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں۔

مجسمہِ فصللر(Fasıllar Anıtı)

بے شہر سے 18 کلومیٹر مشرق میں واقع یہ مجسمہ دنیا کے سب سے بڑے یادگاری چٹانی مجسموں میں شمار ہوتا ہے۔ جہاں یہ مجسمہ موجود ہے وہاں شہر میستیا



(Misthia) کے کھنڈرات بھی موجود ہیں جن کا تعلق عہدِ بیزانس (Byzantine) سے ہے اور مجسمہِ فصللر بڑے دیوتا کو ایک پہاڑی معبد میں دو شیروں کے درمیان دکھاتا ہے۔

مجسمہِ ایوریز (İvriz Kaya Anıtı)

مجسمہِ ایوریز اریغلی (Ereğli) میں ہے جو قونیہ سے تقریباً 150 کلومیٹر دور ایک قصبہ ہے۔ پانی کے منبع پر موجود چٹان پر کھدا ہوا برکت کا یہ خوبصورت اور یادگاری مجسمہ سلطنتِ توانا (Tuvana) کی طرف منسوب ہے جس کی بنیاد قبل از مسیح 2000 میں رکھی گئی ہے۔ ایوریز دیکھنے کی جگہ ہے جو اپنی طبعی خوبصورتی سے انسان کو فریفتہ بنا لیتا ہے اور اِس کے ساتھ ساتھ یہ مکان آرام کرنے کے لیے بھی بہت اچھی جگہ ہے۔



سرائے قباد آباد

اِس سرائے کو سلجوقی سلطان علاء الدّین کیقباد نے قصبہ (Gölyaka) گول یاکا کے شمال میں تعمیر کرایا تھا جو بے شہر کے مغرب میں ہے۔ اِس کا معمار سعدالدّین کوپک (Sadettin Köpek) ہے جو اُس دور میں شکار کا امیر تھا۔ اِس سرائے کی دیواریں خوبصورت چینی سے آراستہ ہیں جو سلجوقی فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ اِس چینی کی دیوار پر سلجوقیوں کا علامتی جانور "چیل" ہے جس کے دو سر ہیں اور اُن میں سے ایک نر اور ایک مادہ ہے۔ اِس کے علاوہ لقلق، مور جیسے پرندوں کی تصویریں بھی نقش کی گئی ہیں۔ آجکل یہاں آرکیالوجیکل کھدائی جاری ہے اور جو آثارِ قدیمہ دستیاب ہوئے ہیں، وہ کاراتائے (Karatay) میوزیم میں دیکھے جا سکتے ہیں۔



قدرتی حسن اور مناظر

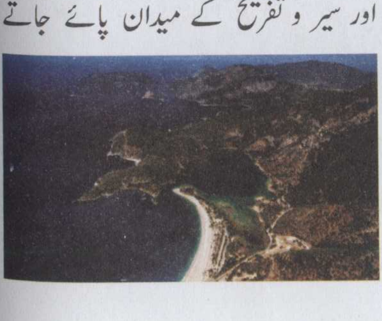
میکے گولو (جھیل) (Meke Gölü)

تحصیل قارہ پینار (Karapınar) سے 8 کلومیٹر فاصلہ پر واقع یہ جھیل دائرہ نما ہے اور جھیل کے درمیان ایک بلند چوٹی ہے جس کا نام میکے ہے۔ یہ چوٹی بجھے ہوئے آتش فشاں کی راکھ سے بنی ہے۔ اِس چوٹی کے علاوہ تین چوٹیاں اور نمودار ہوئی ہیں۔ جھیل کو کالی راکھ نے ڈھانپ لیا ہے۔ جھیل کی گہرائی 12 میٹر سے زیادہ نہیں ہے۔ جھیل کا نمکین پانی جس میں میگنیشیم (Magnesium) اور سوڈیم سلفیٹ ہے، زمین کی تہ سے نکلتا ہے۔ قارہ پینار کے طاس میں موجود ترکی کی یہ واحد کراٹر جھیل ایسی خوبصورت ہے جیسے دشت میں پوشیدہ ایک حسن اور جس نے بھی اِس منظر کو پہلی دفعہ دیکھا وہ حیران رہ جاتا ہے۔



بے شہر گولو (جھیل) (Beyşehir Gölü)

اِس جھیل کے اِرد گرد بہت سے قدرتی مناظر اور سیر و تفریح کے میدان پائے جاتے ہیں اور جھیل کے کنارے سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھنا ایک پرکشش منظر ہے۔ اِس کے علاوہ جھیل میں چھوٹے جزیرے بھی موجود ہیں جو قدرتی حسن کے اعتبار سے دیکھنے کا قابل ہیں۔



یرکوپرو شلالیسی (آبشار) (Yerköprü Şelalesi)

Göksu ایک ندی ہے اور اُس کا پانی وسطی طوروس (Toros) کی سطحِ مرتفع سے نکل کر آتا ہے۔ دیکھنے میں اِس ندی کا نیلا پانی انسان کو مسحور کر دیتا ہے اور اِس



ندی کا پانی کبھی کبھار زمین کی تہ اور کبھی اوپر سے جنوب کی طرف بہہ کر Akdeniz میں جا گرتا ہے۔ یہ ندی اپنی قدرتی خوبصورتی کی وجہ سے ترکی کی بے نظیر ندیوں میں شمار ہوتی ہے اور آگے جا کر قصبہ حادم کے قریب یرکوپرو مقام پر ایک بڑی آبشار بن جاتی ہے۔

توز گولو (نمک جھیل) (Tuz Gölü)

یہ علاقے کی سب سے بڑی ٹیکٹونک (tectonic) جھیل ہے۔ اِس جھیل کی



گہرائی زیادہ نہیں ہے۔ اُس کا پانی سردیوں میں اور موسمِ بہار میں ایک وسیع میدان پر چھا جاتا ہے۔ لیکن گرمیوں میں اُس کا پانی کم ہو جاتا ہے۔ یہاں سے نمک نکلتا ہے جو ترکی کی تقریباً 30% ضرورت پوری کر دیتا ہے۔ یہ منظر بڑا دلکش ہے۔

اوبرُک گولو (جھیل) (Obruk Gölü)

یہ قونیہ سے 74 کلومیٹر دور قصبہ اوبرُک کے قریب واقع ایک جھیل ہے جس کی گہرائی



145 میٹر ہے اور اُس کا رنگ دن کی روشنی کے مطابق ہر گھڑی تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

مرام

مرام شہر سے 7 کلومیٹر دور ایک سیر و تفریح کی جگہ ہے جو بوجہ خوبصورتی، اُس



کی ہوا، پانی، باغیچہ گانوں اور شعروں کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اُس کے اِرد گرد جنگل ہے اور سیر و تفریح کے لیے بہترین جگہ ہے۔ یہاں اندرون اور بیرونِ ملک سے بڑی تعداد میں لوگ گھومنے کے لیے آتے ہیں۔

مولانا میوزیم

مولانا رومی کی درگاہ آج کل میوزیم کے طور پر استعمال کی جاتی ہے اور یہ جگہ سلجوقی سلطان علاء لدّین کیقباد کی طرف سے مولانا رومی کے والد سلطان العلماء بہاء الدّین ولد کو تحفے میں دی گئی تھی۔ یہ جگہ اس سے پہلے ایک خوبصورت گلزار تھی۔ جب بہاء الدّین ولد 1231ء میں انتقال کر گئے تو وہیں دفن کئے گئے۔ جب 17 دسمبر 1273ء کو مولانا رومی کا انتقال ہوا تو اُن کے بیٹے سلطان ولد نے مزار پر تربت بنوانے کی تجویز کو مسترد کیا تھا۔ بعد میں سلجوقی وزیر امیر معین الدّین سلیمان پروانہ اور اُس کی معیت نے بڑی رقم خرچ کر کے مولانا رومی کی قبر پر مخروطی قبہ والی اور چینی سے مزین ایک تربت بنوائی۔ اِس کا معمار بدرالدّین تبریزی ہے۔ درگاہ اور تربت کو 1926ء میں قونیہ آثارِ عتیقہ کے نام سے میوزیم بنایا گیا ہے۔ 1954ء میں اِس میوزیم



کا نام مولانا میوزیم رکھ دیا گیا۔ اُس کا موجودہ رقبہ ۱۸۰۰۰ مربع میٹر ہے۔ میوزیم کے آنگن میں ''درویشان کے دروازہ'' سے داخل ہوا جاتا

ہے۔ آنگن کے شمال اور مغرب کی طرف درویشوں کے حجرے ہیں۔ یہ حجرے بادشاہ مراد ثالث کی طرف سے 1584ء میں درویشوں کی اقامت کے لیے بنائے گئے تھے۔ اُن میں سے بعض حجرے آج کل انتظامی کاموں کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ دو حجرے سجّادہ نشین اور مثنوی خواں کے لئے ہیں۔ اِن دونوں حجروں میں موجود اصلی چیزیں زائرین کو دکھائی جاتی ہیں اور آخر میں دو حجرے اور ہیں جہاں مرحوم عبدالباقی گول پینارلی (Abdulbaki Gölpınarlı) اور محمد اندر (Mehmet Önder) کی کتابیں رکھی گئی ہیں۔ میوزیم کے جنوب میں مطبخ ہے۔ میوزیم بننے سے پہلے یہاں کھانا پکایا جاتا تھا۔ لیکن 1990ء میں کچھ ترمیم کی گئی اور اُس حجرے میں کھانا پکانے والے تشبیہی مجسموں کو رکھا گیا ہے۔ میوزیم کے جنوب میں مطبخ، خرّم پاشا کی تربت اور ''دروازہ خاموشاں'' ہے جو اوچلر مزارلغی (Üçler Mezarlığı) کی طرف کھلتا ہے۔ خاموشاں مولویوں کی روایت اور اصطلاح میں مرے ہوئے لوگوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ باغ کے درمیان میں سماع ہال ہے۔ اِس کے ساتھ جو لکڑی کا بنا ہوا دروازہ ہے، وہ تلاوت کے کمرے کی طرف کھلتا ہے۔ یہ کمرہ قیمتی لوحوں سے پر ہے جو خطاطی کے بہترین نمونے ہیں۔ یہاں سے ایک چاندی کے بنے ہوئے دروازے کے ذریعہ جس کو سوکولو محمد (Sokollu Mehmed) پاشا کے بیٹے حسن پاشا نے 1599ء میں بنوایا تھا، پیر کے حضور پہنچ جاتے ہیں جہاں مولانا رومی اور اُن کے اقارب کے مزار موجود ہیں۔ یہاں دو الماریوں میں مثنوی اور دیوانِ کبیر کا سب سے پرانا نسخہ پایا جاتا ہے۔ تربت میں ایک اونچا صندوق ہے۔ اُس کے نیچے مولانا رومی کے والد بہاء الدین ولد مدفون ہیں۔ یہ صندوق سلجوقی دور کی بہترین



لکڑی کی کاری گری کا نمونہ ہے اور یہ صندوق قانونی سلطان سلیمان کے دور تک مولانا رومی کی قبر پر تھا جو کہ بعد میں یہاں لایا گیا۔ تربت میں چینی سے مزین صندوقوں میں سے ایک مظفرالدّین امیر عالم چلبی (Muzafferuddin Emir Alim Çelebi) کا ہے اور دوسرا مولانا رومی کی نواسی جلالہ خاتون کا ہے۔ یہاں دوسرے مزارات بھی ہیں جو چلبی حسام الدّین، بائے تیمور اوغلو شیخ کرام الدّین (Baytemuroğlu Şeyh Keramuddin)، امیر شمس الدّین یحیی، مولانا رومی کی بیٹی ملکہ خاتون اور دیگر اہلِ خراسان کے ہیں۔ خراسان کے مردوں کے عین پاؤں تلے اِلخانلی (İlhanlı) خاندان کے بادشاہ ابو سعید بہادر کے لیے بنایا گیا ایک نشان تاشی بھی (نشانے کا پتھر) ہے۔ خانقاہوں میں سماع ہال کے ایک طرف مسجد ہے جبکہ دوسری طرف تربت ہیں۔ تربت کے اوپر ستاروں سے مزین محراب اور دیواروں پر خطاطی ایک روحانی ماحول پیدا کر دیتا ہے۔ سماع ہال سولھویں صدی میں قانونی سلطان سلیمان کی طرف سے تعمیر کروایا گیا تھا اور 1926ء تک یہاں سماع ہوتا رہا۔ لیکن جب درگاہ میوزیم بنا تو اس کا یہ وصف ختم ہو گیا اور سماع کا اہتمام بھی موقوف ہو گیا۔ سماع ہال میں موجود نعت کی کرسی اور مطربوں کا حجرہ جہاں موسیقار بیٹھتے تھے، اپنی اصلی حالت میں اب بھی محفوظ ہیں۔ اِس کے ساتھ یہاں لکڑی اور لوہے کے بنے ہوئے آلے ہیں جن کو سلسلہء مولویہ کے حضرات موسیقی میں استعمال کرتے تھے۔ اِس کے ساتھ ساتھ درگاہ کے آنگن میں شادروان (وضو کرنے کا تالاب)، شبِ عروس کا حوض اور آنگن کے شمالی جانب ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے جن کو یاووز سلطان سلیم (Yavuz Sultan Selim) نے 1512ء میں تعمیر کروایا تھا۔



مولانا رومی ثقافتی مرکز

یہ مرکز مولانا میوزیم سے تقریباً ایک کلومیٹر دور اور تاریخی اوچلر مزارلغی (Üçler Mezarlığı) کے قریب ہے۔ اُس کی وسعت تقریبا ایک لاکھ مربع میٹر ہے اور قونیہ میں جو پروگرام منعقد کیا جاتا ہے، اُس کے لئے کافی ہے۔ اِس میں کھلا اور بند دو سماع ہال، داخلی دروازہ، نمائشی ہال، قہوہ خانہ، کتب خانہ، ریسرچ سنٹر، نمائندوں کے لیے ہال



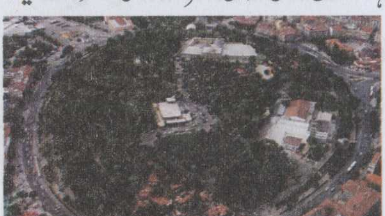
نما بہت سے کمرے ہیں۔ ہر سال ماہ دسمبر میں مولانا جلال الدّین رومی کے لیے اِس مرکز میں یادگاری پروگرام منعقد کیا جاتا ہے۔ یہ مرکز قونیہ کی ثقافتی زندگی کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔

تاریخی عمارتیں

چونکہ قونیہ عرصہ دراز سے سلجوقیوں کا دارالحکومت رہا ہے اس لیے یہاں اُس دور کی بہت سے تاریخی عمارتیں ہیں۔

علاء الدین تپسی (AlaaddinTepesi)

تاریخ میں علاء الدّین کیقباد ہمیشہ مدح اور احترام کے ساتھ زندہ ہیں۔ وہ فنی کاموں کے حامی، ماہر حکمران اور فنکار تھے۔ انھوں نے مولانا رومی جیسے عالم کو قونیہ آنے کی دعوت دی۔ قونیہ میں اُن کے نام سے موسوم سلجوقی سلاطین کی مشہور سرائے ہے جو علاء الدّین تپسی کے شمال میں واقع ہے۔ آج کل اِس سرائے کی صرف ایک



دیوار باقی ہے۔ علاء الدّین تپسی میں ایک مسجد بھی ہے جس کا نام علاء الدین مسجد ہے جو آج تک قائم ہے۔ اناطولی سلجوقیوں کے دور



کی اِس سب سے بڑی اور قدیم مسجد کی تعمیر سلطان رکن الدّین مسعود کے آخری دور میں شروع ہوئی، قلیچ ارسلان ثانی کے زمانہ میں تعمیر بدستور جاری رہی اور پھر سلطان علاء الدّین کیقباد نے 1221ء میں مکمل کرا دی۔ مسجد اسلامی طرز کے مطابق تعمیر کی گئی۔ مسجد کی چھت لکڑی اور مٹی سے بنائی گئی۔ بیزانس اور کلاسیک دور کے 41 ستون سنگِ مرمر کے بنے ہوئے ہیں اور اِس میں سب سے دلچسپ جگہ اُس کا منبر ہے۔ منبر آبنوس کی لکڑی کا بنا ہوا، اناطولی سلجوقی دور کا بہترین لکڑی کا کام ہے جو کہ منگوم برتی احلاتی (Ahlatlı Mengum Berti) کی طرف سے 1155ء میں بنایا گیا ایک شاہکار ہے۔ محراب چینی سے مزین ہے اور اُس کے آگے ایک میدان ہے جس کا گنبد چینی سے آراستہ ہے۔ محراب اور گنبدوں کی چینی کم و بیش زائل ہو چکی ہے۔ افلاکی (Eflaki) بتاتے ہیں کہ جب یہ مسجد تعمیر ہوئی تو مولانا رومی یہاں وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ مسجد کے پاس قلیچ ارسلان ثانی کے دور کی ایک تربت ہے۔ اِس تربت میں چینی سے مزین 8 صندوق ہیں جن میں 8 سلجوقی سلاطین مدفون ہیں۔

مدرسہ اینجہ مینارہ (İnce MinareMedresesi)

علاء الدّین مسجد کے مغرب میں واقع اِس مدرسہ کو سلجوقی وزیر صاحب عطا فخرالدّین علی (Sahib Ata FahruddinAli) نے حدیث کی تعلیم کے لیے



1254ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اِس مسجد کے معمار کا نام کلوک بن عبداللہ (Kellük bin Abdullah) ہے۔ اِس مدرسہ میں پتھر اور

لکڑی کا بنا ہوا کام بہت ہے جو سلجوقی اور عثمانی دور کی عکاسی کرتا ہے۔ مدرسہ کے تاج دروازے پر سورۃ لیس اور سورۃ فتح رنگین اور پھولوں سے مزین سلجوقی خطِ ثلث میں لکھی گئی ہیں۔ عمارت کے اندر آنگن، ایوان، درس خانہ اور طلباء کے حجرے ہیں۔ مینار کی بنیاد پتھر میں لپٹی اینٹ سے بنا ہے جو کہ آدھا پیرامیڈ شکل میں مثلث اور 12 کونے والی ہے۔ مینار پر نیلی اینٹ سے بنے ہوئے دو چھجّے ہیں۔ 1901ء میں ایک چھجّا بجلی کی کڑک کی وجہ سے گر گیا تھا۔ یہ مدرسہ 1956ء میں میوزیم بنا دیا گیا۔

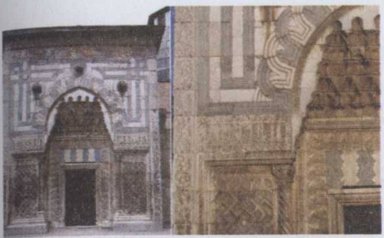
مدرسہ کاراتائی (Karatay Medresesi)

اِس مدرسہ کو امیر جلال الدّین کاراتائی نے 1251ء میں تعمیر کروایا تھا۔ اُن کا نام بھی صاحب عطا فخرالدّین علی کی طرح ممتاز عہدیداروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ بھی مدرسہ اینجہ مینارہ کے قریب ہے۔ اِس کے معمار کے بارے میں معلومات نہیں ہیں۔ یہ مدرسہ عثمانی دور میں تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔ لیکن انیسویں صدی کے آخر میں تعلیمی سلسلہ ترک کر دیا گیا۔ اناطولی سلجوقیوں کے دور کی چینی کاریگری کی وجہ سے اِس مدرسے کی بڑی اہمیت ہے۔ اِس کو 1955ء میں میوزیم بنا دیا گیا۔ اِس میوزیم میں چینی اور شیشہ سے بنی ہوئی پلیٹ، مٹی کے برتن اور قندیل ہیں جو بے شہر کی جھیل کے کنارے واقع قباد آباد سرائے کے کھنڈرات سے دستیاب ہوئی ہیں۔



سیر چالی مدرسہ (Sırçalı Medrese)

یہ مدرسہ قونیہ میں سلجوقی دور کا سب سے پرانا مدرسہ ہے جو بدرالدین مصلح نے 1242ء میں تعمیر کروایا تھا۔ اِس کو 1960ء میں میوزیم بنا دیا گیا اور اُس کا نام مزار



آنتلاری موزیسی (Mezar Anıtları
(Müzesi یعنی ''قبر کے یادگاری پتھروں کا میوزیم'' رکھا گیا ہے۔ یہ چینی سے مزین ہے۔ قونیہ کے مزاروں سے تاریخی اور فنی اعتبار سے جمع شدہ قیمتی پتھر یہاں رکھے گئے ہیں جو کہ اپنی شکل اور تحریری انداز کو مد نظر رکھتے ہوئے تاریخی ترتیب کے ساتھ رکھے گئے ہیں۔

مسجد صدرالدین قونوی اور تربت

شیخ صدرالدّین کے محلّے میں واقع اِس مسجد کو صدرالدّین قونوی نے 1274ء میں تعمیر کرایا اور اپنے نام سے موسوم کیا۔ صدرالدّین قونوی اصل میں ملطیہ (Malatya) سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں قونیہ آکر یہیں آباد ہو گئے۔ وہ اپنے زمانے کے معروف عالم تھے۔ 1207ء میں ملطیہ میں پیدا ہوئے اور 1274ء کو قونیہ میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنے دور کے علماء سے کتابیں پڑھی۔ اسلامی ملکوں کے مختلف مراکز میں جا کر علمی اور فکری میدان میں تحقیق کی۔ ملا صدرالدّین تاریخِ تصوف کی اہم ترین شخصیت ہیں۔ انہوں نے قونیہ میں محی الدّین ابنِ عربی کے خیالات کی تشریح کی۔ مولانا جلال الدّین رومی سے بھی اُن کا تعلق رہا اور اُن کو مولانا رومی سے دلی محبت تھی۔ اُن کی تربت مسجد کے مشرقی صحن میں ہے۔ اوپر سے کھلی ہوئی، سنگِ مرمر کی بنیاد والی اِس تربت کی بناوٹ سلجوقی طرزِ گنبد سے ملتی ہے۔ اِس کے علاوہ



تربت کے اوپر لکڑی کا بنا ہوا ایک کلاہ ہے۔ یہ وہ آخری تربت ہے جو بغیر دیواروں کے مسجد کے صحن میں موجود ہے۔

مسجد شمس تبریزی اور تربت



مولانا جلال الدّین رومی کی زندگی میں سب سے اہم تبدیلی اُس وقت شروع ہوئی جب اُن کی ملاقات شاہ شمس تبریزی سے ہوئی۔ مولانا رومی اُس وقت تک مدرسہ اور مسجدوں میں درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ لیکن شاہ شمس سے ملاقات کے بعد بدل گئے۔ شاہ شمس تبریز میں پیدا ہوئے۔ اُن کا اصل نام مولانا محمد تھا۔ اُن کا روحانی سفر مولانا رومی سے ملنے کے بعد ختم ہوا۔ شاہ شمس دنیا اور لباس کو کبھی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ وہ مولانا کے پاس تین، ساڑھے تین سال رہے اور انہوں نے اُن کی زندگی میں نیا افق کھولا۔ انہوں نے مولانا رومی کو ایک کامل عاشقِ حق بنایا۔ مولانا رومی اپنے دوست شاہ شمس کو کبھی نہیں بھولے اور انہوں نے جو دیوان لکھا تھا اُسے شاہ شمس تبریزی کے نام کر دیا۔ آج کل قونیہ میں مقامِ شمس کے طور پر جو مسجد موجود ہے وہ تیرھویں صدی میں تعمیر ہوئی ہے اور مولانا رومی کی تربت سے پہلے اُس مسجد کی زیارت کی جاتی ہے۔ موجودہ عمارت کی مرمت 1510ء میں عبدالرزاق امیر اسحاق بیگ کی طرف سے کی گئی اور بعد میں مسجد کو مزید وسعت دی گئی۔ لیکن کسی کو معلوم نہیں ہے کہ یہ توسیع کا کام کس نے کیا تھا۔ شاہ شمس تبریزی کی تربت مسجد کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ باہر سے ہشت پہلو تنبور پر پیرامیڈ کلاہ سے بند کی گئی ہے۔ مسجد کی راہ گزر ایوان تربت میں سے ہے جس میں لکڑی کے بنے ہوئے کمر (محرابی دروازے) ہیں۔ اس قسم کے محرابی دروازے Bursa شہر میں بہت مشہور ہیں۔



دوسری طرف دو کھڑکیاں اوپر نیچے ہیں۔ کہتے ہیں کہ صندوق کے نیچے ایک کنواں ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ آثار سے ایسا لگتا ہے کہ یہ ممّی (میّت) رکھنے کی جگہ ہے۔ یہ جگہ پتھر کی بنی ہوئی تنبور ہے اور اِس کا کلاہ اینٹ سے بنا ہوا ہے۔ تربت کی مرمت 1977ء میں ہوئی ہے۔ شہر کے مرکز میں بہت سی مساجد اور مدرسے ہیں جو قونیہ کے مختلف عظیم الشان ادوار کی عکاسی کرتے ہیں۔ اُن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

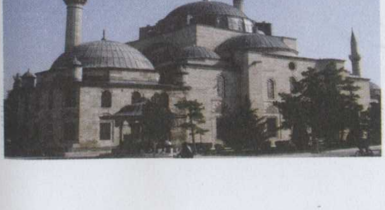
اپلیکچی مسجد (İplikçi Camii)

یہ مسجد علاء الدّین سڑک پر ہے۔ شمس الدّین آلتون ابا نے 1201ء میں تعمیر کرائی۔ سومنجی ابو بکر (Somuncu Ebubekir) نے 1332ء میں اُس کو وسعت دے کر مرمت کی۔ چونکہ یہ مسجد اپلیکچیلر بازار (İplikçiler Çarşısı) میں تھی اس لیے اُس کا نام بھی یہی پڑ گیا۔ یہ مسجد 1951ء تا 1960ء کے عرصہ میں میوزیم کے طور پر استعمال کی گئی اور پھر 1960ء میں از سرِ نو عبادت کے لیے کھول دی گئی۔



سلیمیہ مسجد (Selimiye Camii)

یہ مسجد مولانا رومی کی درگاہ کے مغرب میں واقع ہے۔ اُس کی تعمیر 1558ء شہزادہ سلطان سلیم ثانی کے دور میں شروع ہوئی اور 1567ء میں ختم ہوئی۔ یہ مسجد کلاسیک عثمانی طرزِ معماری کا بہترین نمونہ ہے۔ شمال میں آخری صف چھ ستونوں پر سات قبوں کے نیچے ہے جس کے دائیں اور بائیں ایک چھجّا والے دو مینار ہیں۔ اِس کے علاوہ ایک صدر دروازہ بھی ہے۔



عزیزیہ مسجد (Camii Aziziye)

یہ مسجد قونیہ کے مرکز میں ہے اور عثمانی طرزِ معماری کا بہترین نمونہ ہے۔ شیخ احمد نے 1671ء میں اِس کی تعمیر شروع کی اور 1676ء میں اختتام پذیر ہوئی۔ بعد میں چونکہ اِس مسجد کو آگ لگ گئی تھی اس لیے 1867ء میں سلطان عبدالعزیز کی والدہ (Pertenihal) کے نام از سر نو تعمیر کی گئی ہے۔ اِس مسجد کی آخری صف چھ مرمر ستون پر موجود تین قبوں کے نیچے ہے۔ نیز اُس کے دونوں سروں پر دو مینار ہیں جو اوپر سے ایک کھلے قبے سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس تعمیر کو ترکی باروگ طرز کہا جاتا ہے۔



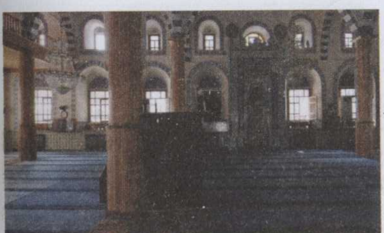
شرف الدین مسجد (Şerafettin Camii)

یہ مسجد گورنر ہاؤس کے جنوب میں واقع ہے۔ پہلی دفعہ بارھویں صدی میں شیخ شرف الدّین نے تعمیر کرائی اور پھر 1336ء میں نئی تعمیر کے لئے گرا دیا گیا۔ نئی تعمیر چاوش اوغلو محمد بیگ (Çavuşoğlu Mehmed Bey) نے کی۔ مسجد کی دیواروں کو کٹے ہوئے پتھروں کے قبہ سے بند کیا گیا ہے۔ قبہ دس ہاتھی کے پاؤں کی طرح کے ستونوں پر قائم ہے اور جنوبی حصہ کو آدھے قبہ کا سہارا دیا گیا ہے جبکہ محراب کی گولائی باہر سے نظر آتی ہے۔ مسجد کا اندرونی حصہ خطاطی اور نقاشی سے مزین ہے۔ محراب و منبر سنگِ مرمر کا ہے، اُس پر کندہ کاری کی گئی ہے اور دیکھنے میں بہت خوبصورت لگتا ہے۔ اِس کے ساتھ چھجّا والا ایک مینار بھی ہے جو بعد میں بنایا گیا۔



کاپو مسجد (Kapu Camii)

یہ مسجد بھی قونیہ کے مرکز میں واقع ہے۔ اِس کا اصل نام احیائیہ ہے۔ یہ چونکہ قلعہ کے دروازہ پر واقع ہے اس لیے اِس کا نام Kapu Camii پڑ گیا ہے۔ اِس مسجد کو پہلی مرتبہ سلسلہء مولویہ کے سجّادہ نشین پیر حسین چلپی نے 1658ء میں تعمیر کرایا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ مسجد مفتی سید عبدالرحمٰن کی طرف سے 1811ء میں از سر نو تعمیر کی گئی۔ 1867ء میں آگ لگنے کی وجہ سے یہ مسجد اور اس کے اردگرد کی دکانیں جل گئیں۔ نئی تعمیر کے بارے میں ایک کتبہ تاج دروازہ پر موجود ہے جس پر 1285ھ کی تاریخ درج ہے۔ Kapu Camii قونیہ میں عثمانی دور کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ شمال میں آخری صف دس مرمر ستونوں پر موجود قبوں کے نیچے ہے۔ صدر دروازہ قدرے



نیچا اور محرابی ہے۔ اِس کے علاوہ مشرق اور مغرب میں بھی دروازے ہیں۔ اس کی تعمیر کٹے ہوئے پتھروں سے ہوئی ہے جس کی چھت کو آٹھ قبوں سے بند کیا گیا ہے۔

حاجی ویس زادہ مسجد (Hacı Veyiszade Camii)

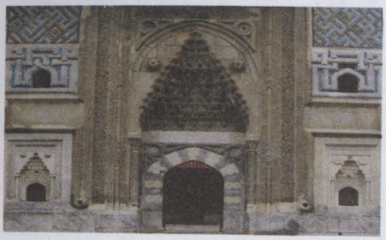
حاجی ویس زادہ قونیہ کے سب سے مشہور عالمِ دین تھے۔ اُن کے نام سے موسوم اِس مسجد کی تعمیر 1988ء میں شروع ہوئی۔ جدید طرز کی یہ مسجد شہر کے مرکز میں ہے۔ اِس مسجد میں کتب خانہ، مسافر خانہ اور مفتی کے لیے جگہ بھی ہے۔ حاجی ویس



زادہ مسجد شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اِس مسجد میں دس ہزار آدمی بہ یک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اِس کے دائیں اور بائیں طرف دو

مینار ہیں جن پر تین چھجے پائے جاتے ہیں۔ اِن میناروں کی لمبائی تقریباً 78 میٹر ہے اور یہ علاقے کے سب سے اونچے مینار ہیں۔

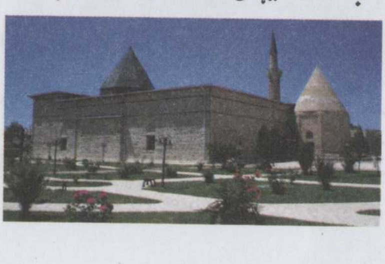
صاحب عطا مسجد اور کلیۃ (Sahib Ata Camii)



اس مسجد کو اناطولی سلجوقیوں کے وزیر صاحب عطا نے 1258ء تا 1283ء کے دوران تعمیر کرایا۔ اِس مسجد کے ساتھ ایک خانقاہ، تربت اور حمام ہے۔ اُس کے معمار کلوک بن عبداللہ ہیں۔

اشرف اوغلو مسجد (Eşrefoğlu Camii)

یہ مسجد اشرف اوغلو بیگ (Eşrefoğlu Bey) کی یادگار ہے اور بے شہر کے مرکز میں ہے۔ ماضی کی اہم ترین تاریخی عمارتوں میں اِس کا شمار ہوتا ہے۔ شمالاً جنوباً مستطیل شکل میں تعمیر کی گئی ہے۔ صدر دروازہ شمال میں ہے۔ اِس کے علاوہ مشرق اور مغرب میں دو دروازے اور ہیں۔ پہلی دفعہ ملک شاہ کے ساحب زادہ سلجوقی سلطان معزالدّین احمد سنجر (Sencer) کے حکم سے 1134ء میں اُس کی تعمیر ہوئی اور پھر اشرف اوغلو سلیمان بیگ نے 1297ء میں از سر نو تعمیر کرایا۔ مسجد میں لکڑی پر کندہ کاری کا کام بہت مشہور ہے۔ قونیہ کی قدیم تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مختلف مذاہب کے پیروکار آباد تھے۔ اِس عتبار سے یہاں مسلمانوں کی مساجد اور



مزارات کے علاوہ دوسرے مذاہب کے مذہبی معماری کے بہترین نمونے پائے جاتے ہیں۔ اِن میں سے بعض یہ ہیں:

سلہ آیا الینا گرجا (Sille Aya ElenaKilisesi)

سلّہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں مختلف ثقافتیں مل جل کر رہی ہیں اور عیسائیت کی تاریخ میں بھی ایک اہم اور قدیم مرکز ہے۔ مسیح کے بعد 327ء میں بیزانس کے بادشاہ قسطنطین کی ماں ہلینا (Helena) حج کی غرض سے قدس جاتے ہوئے یہاں سے گزری تھی۔ اُس نے یہاں پتھروں پر کندہ کیئے گئے معبدوں کو دیکھا جو عیسائیت کے ابتدائی زمانہ کے تھے۔ اس لئے اس نے سلّہ میں عیسائیوں کے لیے ایک معبد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ گرجا مختلف ادوار میں مرمت ہوتا رہا۔ اندرونی دروازہ پر یونانی رسم الخط سے لکھا ہوا ایک کتبہ ہے جس پر اِس گرجا کی تاریخ لکھی گئی ہے اور اُس کتبہ کی تاریخ 1833ء ہے۔ ایک اور کتبہ پر یہ تحریر ہے کہ سلطان مجید کے دور میں اِس گرجا کی چوتھی مرتبہ مرمت ہوئی ہے۔ یہ گرجا کٹے ہوئے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ صحن میں موجود چٹانوں کو کھود کر کمرے بنائے گئے ہیں۔ گرجا کا بڑا قبہ چار ہاتھی کے پاؤں جیسے ستونوں پر قائم ہے۔ کلیسا کے اندر وعظ کے لیے ایک کرسی ہے جو لکڑی کی بنی ہے۔ قبوں کے درّوں اور ستونوں پر حضرت مسیح، مریم اور حواریوں کی تصویریں ہیں۔



خاص بیگ دار الحفّاظ (Hasbey Daru'l-huffazı)

یہ غازی عالم شاہ کے محلّے میں ہے۔ یہ دارالحفاظ کارامان اوغلو محمد ثانی (Karaman oğlu Mehmed II) کے دور میں حاجی خاص بیگ اوغلو محمد بیگ نے 1421ء میں حفاظ کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ مربع



شکل کی یہ عمارت اینٹ سے بنی ہوئی ہے اور اوپر تراشے ہوئے پتھروں کی چھت ہے۔ صدر دروازہ کے قریب مغربی حصہ کندہ سنگِ مرمر سے مزین ہے۔ اِس کے علاوہ چینی سے مزین ایک خوبصورت محراب بھی ہے۔

یشیل تربت (قبہِ خضراء) (Yeşil Türbe)

سلجوقی دور کی یہ عمارت چار ہاتھی پاؤں نما ستونوں پر کھڑی ہے۔ باہر سولہ حصوں کا ایک مخروطی کلاہ ہے جس کے اندورنی جانب آیت الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ قبہ مختلف نقش و نگار اور کوفی خط کی آیات سے مزین ہے۔ قبے کے نیچے مولانا رومی اور سلطان ولد مدفون ہیں۔ مزار پر موجود چادر سونے کی تاروں سے مزین ہے جس کو



سلطان عبدالحمید نے بنوایا تھا۔ قبہ کے مشرق جانب بہاء الدین ولد کا مقبرہ ہے۔ اِس مقبرہ میں مولانا رومی کے لئے لکڑی کا بنا ہوا ایک صندوق ہے جو سلجوقی دور کا شاہکار ہے۔

تربت طاؤس بابا (Tavus Baba Türbesi)



پتھر اور اینٹ سے بنی ہوئی یہ تربت بھی قونیہ کی تاریخی اور سیر و تفریح کی جگہ مرام میں واقع ہے جس کے نیچے شیخ محمد الہندی مدفون ہیں۔ اُن کا انتقال علاء الدّین کیقباد کے دور میں ہوا تھا۔

تربت آتش باز ولی (Ateş Baz Veli Türbesi)

یہ تربت مولوی آتش باز یوسف کی ہے جو مرام (Meram) کے راستے میں ہے۔ کلاسیک سلجوقی طرزِ گنبد کی شکل میں ہے۔ مولوی آتش باز یوسف کا انتقال



1285ء میں ہوا تھا۔ تراشے پتھروں سے بنی اِس ہشت پہلو عمارت کے اوپر ایک مخروطی کلاہ ہے۔ دروازے کے نیچے ایک راہداری ہے جو مزار کے مخزن کی طرف جاتی ہے۔

مرام خاص بیگ مسجد (Meram Hasbey Mescidi)

یہ مسجد مرام میں ہے۔ خاص بیگ اوغلو محمد کے نام پر تعمیر کی گئی ہے۔ تراشے



پتھروں سے بنی ہے اور اُس کے اوپر مٹی کی چھت ہے۔ منبر بہت سادہ ہے۔ مسجد کے ساتھ مربع شکل کا ایک دارالحفاظ بھی ہے جس کو آج کل بچوں کی لائبریری کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

تربت گومچ خاتون (Gömeç Hatun Türbesi)

یہ تربت Musalla Mezarlığı (قبرستان) میں ہے اور گومچ خاتون کی ہے جو سلطان رکن الدین قلیچ ارسلان کی بیوی تھی۔ یہ تربت سلجوقی تربتوں میں ایک خاص



انداز کی بنی ہے، اِس کا بڑا حصہ تراشے پتھروں اور اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔ دیکھنے میں ایک قلعہ کی طرح ہے۔ پچی کاری سے مزین ہے۔

تربت ناصر الدین خواجہ (آق شہر)

ناصرالدّین خواجہ ایک خوش مزاج فلسفی تھے۔ وہ سیوری حصار (Sivrihisar) میں پیدا ہوئے اور بعد میں آق شہر (Akşehir) آ کر بس گئے اور پھر یہیں وفات پائی۔ اُن کی تربت آق شہر کے مشرقی قبرستان میں ہے جو اُنہی کے نام سے موسوم ہے۔ مرمت کی وجہ سے اصلی ہیئت باقی نہیں جبکہ موجودہ ڈھانچہ 1905ء میں شکرو



بیگ نے بنوایا۔ پرانی عمارت میں صرف اصل تربت باقی ہے۔ مرمر صندوق کے سرہانے پر اُن کی تاریخِ وفات ۶۸۳ھ کی بجائے ۳۸۶ھ لکھی گئی ہے جو غلط ہے۔

تربت علی گاؤ (Ali Gav Zaviyesive Türbesi)

علی گاوٴ بابا کی یہ تربت قونیہ کے ایک محلے تارلہ (Tarla) میں ہے جو چودھویں



صدی میں تعمیر ہوئی۔ یہ تربت مدرسہ کے اندر ہے۔ علی گاوٴ بابا پندرھویں صدی کے مشہور صوفی اور شاعر حاجی بیرام ولی کے مرید تھے۔ اِس تربت میں ایک ایوان اور چار کمرے ہیں۔

زازادین خان (Zazadin Hanı)

اس عوامی سرائے کو سلطان علاء الدّین کیقباد کے دور میں سلجوقی امیر وزیر



سعدالدّین کوپک (Sadettin Köpek) نے 1236ء میں تعمیر کرایا تھا۔ گرمی اور سردی کے لحاظ سے اس سرائے کے صحن کی تعمیر کی گئی۔

سرائے کی لمبائی 104 میٹر اور چوڑائی 62 میٹر ہے۔ پتھروں سے بنی اِس عمارت کی بیرونی دیواروں کے لئے اسلامی دور سے پہلے کی عمارتوں کا مواد استعمال کیا گیا ہے۔ یہ عوامی سرائے قونیہ سے 25 کلومیٹر دور ضلع تومک (Tömek) میں واقع ہے۔

ہوروزلو خان (HorozluHan)



ہوروز ترکی زبان میں مرغ کو کہا جاتا ہے۔ یہ عوامی سرائے قونیہ سے آٹھ کلومیٹر دور انقرہ کی جانب ہے۔ یہ سرائے خاص طور پر موسم سرما کے لئے 1248ء میں تعمیر کی گئی تھی

اوبروک خان (ObrukHan)



یہ سرائے اناطولی سلجوقیوں کے دور میں تجارتی راستوں پر تعمیر کی گئی تھی۔ اِس کی تعمیر میں بیزانس کے زمانے کے پتھر استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ سرائے آق سرائے (Aksaray) شہر کی جانب ہے۔

سلطان حمام (Sultan Hamamı)

یہ حمام لارندہ (Larende) سڑک پر ہے جو ''کلّیہ صاحب عطا'' سے منسلک ہے۔



صاحب عطا فخرالدین علی نے اِس حمام کی تعمیر 1258ء میں شروع کی اور 1283ء میں مکمل ہوئی۔ یہ حمام سلجوقی طرزِ تعمیر کے بہترین نمونہ ہے۔ یہ حمام آج بھی زیر استعمال ہے۔

محکمہ حمام (Mahkeme Hamamı)

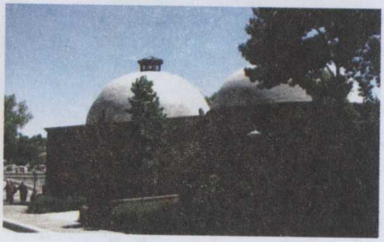
یہ تاریخی حمام شراف الدین مسجد اور شمس تبریزی مسجد کے درمیان واقع ہے۔ کرامان اوغلو ابراہیم بیگ ثانی کے دور (پندرہویں صدی) میں تراشے ہوئے پتھروں سے



تعمیر ہوا ہے۔ اپنی تاریخی خصوصیت کے ساتھ یہ اور اِس طرح کے دیگر سارے حمام ترکی قوم کی صفائی پسندی کی عکاسی کرتا ہے اور آج بھی عوام الناس کے زیرِ استعمال ہے۔

مرام حمام (Meram Hamamı)

یہ حمام بھی مرام میں ہے اور سلجوقی سلاطین کے دور میں 1454ء میں تراشے



ہوئے پتھروں سے تعمیر ہوا ہے۔ اندرون اور بیرونِ ملک سے آنے والے سیاحوں کے لیے مرجع خلائق ہے۔ مردوں اور خواتین کے لئے دو الگ حصے ہیں۔

میوزیم

آرکیالوجی میوزیم (Arkeoloji Müzesi)

قونیہ آرکیالوجی میوزیم 1901ء میں سب سے پہلے کارما (Karma) مڈل اسکول میں کھولا گیا۔ یہ میوزیم پہلے یہاں سے 1927ء میں مولانا رومی میوزیم اور پھر



1953ء میں اپلیکچی (İplikçi) مسجد میں منتقل کیا گیا۔ 1962ء میں موجودہ عمارت تعمیر ہوئی اور یہاں منتقل کر دیا گیا۔ میوزیم میں نیولیتک،

پرانا اور مڈل Bronze، (آسور تجارتی کالونی)، لوہا (فریک، اوارتو)، کلاسیک، Hellenistic، روما اور بیزانس کے زمانے کی نوادرات موجود ہیں۔ روما کے دور کی لحد (قبر) جیسی چیزیں آرکیالوجی میوزیم میں دیکھنے کے لائق ہیں۔ روما اور بیزانس کے دور کی یہ لحد میوزیم کے اندر رکھی گئی ہیں۔ سلہ (Sille)، تات کوئے (Tatköy) اور چمرا



علی بیگ ہویوک (چبوترہ) (Çumra Ali Bey Hüyük) میں میوزیم کی طرف سے جو کھدائی کی گئی ہے اُس میں چھٹی صدی کے ایک کلیسا کی پچّی کاری دستیاب ہوئی جسے یہاں سے اٹھا کر میوزیم میں رکھا گیاہے۔

اتنوگرافیا میوزیم (Etnografya Müzesi)

یہ میوزیم تعلیمی مقاصد کے لیے 1975ء میں کھولا گیا۔ یہ عمارت تین منزلہ ہے۔ تہ خانہ میں فوٹوگرافی، ارکائیو، عینیات (شعبہ ترسیل مالِ منقولہ) اور تحقیق کے لیے



سہولیات مہیا ہیں۔ اِس میوزیم کی پہلی منزل پر نمائشی ہال ہے۔ اِس ہال میں قونیہ کے اردگرد سے دستیاب ہونے والی اتنوگرافیک چیزیں دکھائی جاتی ہیں۔

قویون اوغلو میوزیم (Koyunoglu Müzesi)

عزت قویون اوغلو (İzzet Koyunoğlu) کا تعلق قونیہ کے مشہور خاندان سے ہے۔ اُس نے ایک میوزیم اور کتب خانہ بنوایا اور اپنی ملکیت کی تاریخی چیزوں کو اِس میوزیم میں رکھوا دیا۔ بعد میں اُس نے یہ میوزیم اور کتب خانہ بلدیہ کو تحفہ کے طور پر

دے دیا۔ میوزیم میں آرکیالوجیک اور اتنوگرافیک چیزیں رکھی گئی ہیں۔ میوزیم کے باغیچہ



موجود گھر کو مرمت کر کے قونیہ کے مثالی گھر کے طور پر مہمانوں کے لئے کھول دیا گیا۔ یہ گھر نئی اور پرانی طرزِ معماری کا امتزاج ہے۔ میوزیم میں بہت سے قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔

اتاترک میوزیم (Atatürk Müzesi)

یہ میوزیم اتاترک سڑک پر 1912ء میں تعمیر کیا گیا۔ یہ میوزیم بیسویں صدی کے قومی طرزِ تعمیر کو سامنے رکھتے ہوئے بنایا گیا۔ 1928ء میں قونیہ کے عوام کی طرف



سے کمال اتاترک کو تحفے میں دیا گیا۔ 1954ء میں اُسے باقاعدہ طور پر میوزیم کا درجہ دیا گیا۔ اِس میں اتاترک کے لباس، جنگ آزادی کی دستاویزات، تصاویر اور اخبار ہیں۔

کتب خانہ یوسف آغا (Yusuf Ağa Kütüphanesi)

یہ کتب خانہ سلیمیہ مسجد کے مغرب میں ہے۔ کتخدا یوسف آغا نے 1795ء میں اِسے تعمیر کرایا تھا۔ اُس میں آج نادر قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔ اِس کتب خانے میں



تحقیق کے لئے بیرونِ ملک سے بھی محقق آتے رہتے ہیں۔ یہاں مخطوطہ کتابوں کی تعداد ۳۱۸۵ ہیں جبکہ مطبوع کتابوں کی تعداد ۸۶۳۱ ہیں۔

رومی چیئر - کلیہ علوم شرقیہ

جامعہ پنجاب، لاہور - پاکستان